کشمیر

سلامتی کونسل میں جناب محمد کریم چاگلہ کی تقریریں

پبلیکیشنز ڈویژن

ویشاکھ شک ۱۸۸۴
اپریل سنہ ۱۹۶۲ء

KASHMIR--Shri M C. CHAGLA'S Speeches in the Security Council

(Urdu)

(NOT FOR SALE)

پبلشرز:۔ ڈائرکٹر پبلیکیشنز ڈویژن اولڈ سیکرٹریٹ دہلی
پرنٹرز:۔ گپتا پرنٹنگ ورکس۔ اسپلنڈ روڈ۔ دہلی ۶

کشمیر

سلامتی کونسل میں جناب محمد کریم چاگلہ کی تقریریں



پبلیکیشنز ڈویژن
وزارت اطلاعات و نشریات
حکومت ہند

یہ وہ تقریریں اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں ہندوستانی نمائندے شری محمد علی کریم چاگلہ نے ۵ اور ۱۰۔ فروری ۱۹۶۴ء کو کی تھیں جبکہ پاکستان نے یہ مسئلہ سلامتی کونسل میں پیش کیا تھا جیسا کہ اس کا معمول ہے۔ یہ تقریریں (جو سلامتی کونسل کے غیر تقسیم شدہ ریکارڈ سے لی گئی ہیں) کشمیر کے متعلق ہندوستانی رویے کی قانونی اور اخلاقی حیثیت کو پوری طرح واضح کرتی ہیں۔

۵۔ فروری ۱۹۶۴ء کو سلامتی کونسل میں شری ایم سی چاگلہ کی تقریر

پاکستان کی درخواست نفرت کی مہم کی انتہا

سلامتی کونسل غالباً اقوام متحدہ کی سب سے اہم تنظیم ہے۔ ہر وہ ملک جو اس کا ممبر ہے اس کا دروازہ کھٹکھٹا سکتا ہے۔ لیکن ایسی کوئی درخواست ذمہ داری کے احساس کے ساتھ پیش کی جانی چاہیئے۔ سلامتی کونسل کسی ممبر کے خلاف پروپیگنڈا کرنے کے لیے نہیں ہے۔ اور نہ ہی یہ دنیا میں کشیدگی پیدا کرنے کے لیے ہے، کیونکہ اس دنیا کو پہلے ہی سے بہت سی مشکلات اور مسائل کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ میں آپ کو اس بات سے مطمئن کر دینا چاہتا ہوں کہ پاکستان نے کونسل کا جو وقت لیا ہے اس کا کسی طرح سے بھی کوئی جواز نہیں نکلتا پاکستان کی یہ درخواست اس نفرت کی مہم کی انتہا ہے جو اس نے ہندوستان کے خلاف مسلسل چلا رکھی ہے اس (پاکستان) کی بین اقوامی پالیسی کا بنیادی اصول یہ ہے کہ ہر محاذ پر ہندوستان کی مخالفت کی جائے، جیسا کہ "ٹائمس" لندن نے بھی حال میں لکھا ہے " پاکستان کی خارجہ پالیسی کے ہر پہلو کی بنیاد ہندوستان کے ساتھ خراب تعلقات ہیں۔" کونسل میں اس مسئلے کو چھیڑنے کا مقصد محض ہیجان پیدا کرنا ہے۔ اس کا مقصد میری حکومت اور میرے ملک کے خلاف سلامتی کونسل کو ہیجان پیدا کرنے کے لیے استعمال کرنا ہے۔

ہم نے پاکستان کے وزیر خارجہ کی تقریر کو بڑے صبر اور سکون کے ساتھ سنا تاکہ معلوم ہو کہ اس میٹنگ کو بلانے کی وجہ کیا تھی اور یہ کہ یہاں کون سے اقدامات متوقع ہیں۔ میں اس بات

کا اعتراف کرتا ہوں کہ پاکستانی نمایندے کا بیان سننے کے بعد میرا وفد اور میری حکومت اسی خیال کی حامی رہی کہ سلامتی کونسل کی میٹنگ بلانے کی کوئی وجہ نہ تھی کیونکہ کوئی ایسی نئی صورت نہیں پیدا ہوئی ہے جو جموں اور کشمیر کی موجودہ صورت حال کو خراب یا بدتر بنا دے۔

پاکستانی درخواست کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم کوئی خوف و دہشت سے بھری کہانی پڑھ رہے ہیں۔ ہمیں بتایا گیا ہے کہ کشمیر کی مسلم اکثریت ہندوستان کے نام نہاد الحاق یا اپنے ساتھ شامل کرنے کی کوشش سے سخت خطرے میں ہے۔ مسلمانوں کی بڑی تعداد ہندوستان کے خلاف مظاہرے کر رہی ہے اور استصواب رائے کے حق میں ہے۔ کشمیر نے "کھلم کھلا بغاوت" کر رکھی ہے۔ ہندوستان کشمیریوں کو کچل رہا ہے اور اگر فوراً کچھ نہ کیا گیا تو نہایت خوفناک نتائج برآمد ہوں گے۔

میں آپ کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ یہ تمام باتیں محض من گھڑت اور خیالی ہیں۔

ہندوستان میں رہنے والے مسلمانوں کے لیے پاکستان بڑا متردد نظر آتا ہے اور پاکستان کے وزیر خارجہ نے کہا ہے کہ ہزاروں ہندوستانی مسلمانوں کو مشرقی پاکستان میں دھکیل دیا گیا ہے۔ جب پاکستان مسلم اقلیت کی بات کرتا ہے تو اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ایک بڑے ملک میں ہمارا واسطہ چند ہزار یا چند لاکھ مسلمانوں سے ہے جو ملک کے کسی دور دراز گوشے میں رہتے ہیں اور چاروں طرف سے ہندوستان کے اکثریتی فرقے کی آبادی سے گھرے ہوئے ہیں۔

میں اس کونسل کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ مسلمان ان معنوں میں اقلیت نہیں ہیں جو معنی عام طور سے اس اصطلاح سے لیے جاتے ہیں۔ ہندوستان کی آبادی میں ان کی تعداد پانچ کروڑ ہے۔ دنیا میں ہندوستان مسلمانوں کی آبادی کے لحاظ سے تیسرا بڑا ملک ہے۔ پہلے دو، انڈونیشیا اور پاکستان ہیں۔ وہ اس دھرتی کے بیٹے ہیں اور نسلی اعتبار سے ہندوستانی ہیں اور انھیں شہریت کے تمام حقوق حاصل ہیں۔ وہ ملک کے ہر عہدے پر فائز ہو سکتے ہیں اور ان میں سے بہت سے ملک کے اعلیٰ ترین عہدوں پر فائز بھی ہیں۔ ہماری تہذیب مختلف پھولوں کا مرقع ہے اور اس مرقعے میں اسلامی کلچر کا رنگ بڑا نمایاں ہے۔ ہمارا ملک ایک سیکولر ریاست اور ہمارا سماج ایک ایسا سماج ہے جہاں ہر شخص کو یکساں حقوق، یکساں مواقع اور قانون کا یکساں تحفظ حاصل ہے۔ ہمارے یہاں کوئی سرکاری مذہب نہیں ہے۔ ہندو، مسلمان، عیسائی، بدھ، سکھ، پارسی اور تمام دوسرے لوگوں کو عبادت کی پوری آزادی حاصل ہے اور ہر شہری کو دستور میں دئے گئے بنیادی حقوق کی ضمانت دی گئی ہے۔ ہمارے یہاں درجہ اول اور درجہ دوم کی شہریت نہیں ہے۔ قانون کی نظروں میں ہر آدمی برابر ہے۔

ہمارے اور پاکستان کے درمیان جو بہت سے اختلافات ہیں وہ اس وجہ سے ہیں کہ ہماری اور پاکستان کی پالیسی میں بنیادی فرق ہے۔ ہم نے اپنے ملک کی بنیاد سیکولرازم (نامذہبیت) پر رکھی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے یہاں کوئی ایسا مذہب نہیں ہے جس کو سرکاری سرپرستی حاصل ہو اور ہر شخص کو حکومت کی کسی مداخلت یا روک ٹوک کے بغیر اپنے مذہب کو ماننے اور اس پر عمل کرنے کا حق حاصل ہے جبکہ پاکستان ایک مذہبی ریاست ہے۔ جب مسلم لیگ کے لیڈروں نے ملک کی تقسیم کا مطالبہ کیا تو ان کے مطالبے کی بنیاد دو قومی نظریہ تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ ہندو اور مسلمان دو الگ الگ قومیں ہیں اس لیے مسلمانوں کا ایک علیحدہ وطن ہونا چاہیے۔ ہم ہندوستان اور پاکستان کو دو الگ الگ ملک مانتے ہیں لیکن ہم نے مذہب کی بنیاد پر قائم کیے گئے دو قومی نظریے کو کبھی تسلیم نہیں کیا۔ یہ پورا تصور ہمارے نزدیک قابل نفرین ہے۔ اگر ہندو اور مسلمان دو قومیں ہیں تو اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ ہندوستان کے ۵ کروڑ مسلمان خود اپنے وطن میں اجنبی بن جائیں گے۔ ہم اس نظریے کو ماننے سے انکار کرتے ہیں کہ قومیت کی بنیاد صرف مذہب ہی ہو سکتا ہے۔ ہم ایک ایسے سماج میں یقین رکھتے ہیں جو کئی نسلوں کئی فرقوں اور کئی زبانوں کے امتزاج سے بنا ہے اور ہماری نظروں میں دنیا میں امن اور خیرسگالی کا انحصار ایسے ہی سماج کی کامیابی پر ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ہمارے یہ خیالات افریقہ کے بہت سے ایسے ملکوں کے دلوں میں ہمدردانہ جذبات پیدا کریں گے جو ابھی حال میں آزاد ہوئے ہیں۔ ان کے بہت سے ملکوں میں مختلف مذہبوں کے ماننے والے لوگ بستے ہیں۔ اور یہی حال مغربی ایشیا کے ملکوں کا ہے اور خود ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں بھی مختلف نسلی گروہوں کو متحد اور ہم آہنگ کرنے کی بڑی جرأت مندانہ کوشش کی جا رہی ہے۔

ہندوستانی مسلمانوں کی رائے عامہ ہندوستان کے ساتھ ہے

کیا یہ بات حیرت انگیز نہیں ہے کہ پاکستان ہندوستانی مسلمانوں کے خود ساختہ سرپرست کی حیثیت سے گلا پھاڑ پھاڑ کر چلا رہا ہے لیکن ہندوستانی مسلمانوں نے ہمیشہ ہماری حکومت کی پالیسی کی پوری پوری حمایت کی ہے۔

کیا میں صدر کی اجازت سے ہندوستان کے تین مسلم اخباروں کے اقتباسات پڑھ سکتا ہوں۔ یہ اردو میں لکھے گئے ہیں لیکن میرے پاس ان کا ترجمہ ہے۔

پہلا اقتباس سیاست جدید کانپور کی ۱۲ جنوری کی اشاعت سے لیا گیا ہے اور وہ یہ ہے:

"پاکستانی حکام اور صحافی ہندوستان کی مسلم اقلیت کے لیے بڑی ہمدردی دکھاتے ہیں اور تقریروں اور تحریروں کے ذریعے ان کی حالت زار کا ماتم کرتے ہیں لیکن وہ یہ بھی محسوس نہیں کرتے کہ ان کی زبانی اور تحریری بے اعتدالیوں اور اشتعال انگیزیوں کی وجہ سے ہی مسلمانوں کو نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ ہندوستانی مسلمان اپنے ان نادان دوستوں کو صاف صاف کہہ دینا چاہتے ہیں کہ خدا کے لیے ہمیں اکیلا چھوڑ دو۔"

"نئی دنیا" نے اپنی ۲۱ جنوری کی اشاعت میں لکھا:

"پاکستان کے اخباروں، لیڈروں اور ریڈیو نے موئے مقدس کی چوری کے واقعہ کو اس طرح اچھالا کہ جس سے اکثریت کے جذبات برانگیختہ ہوں۔ اگر پاکستان کے اخباروں، لیڈروں اور ریڈیو نے اس غیر ذمہ دارانہ طریقے سے کام نہ لیا ہوتا تو کھلنا اور جیسور کے فسادیوں کو ہندوؤں کے جان اور مال پر حملہ کرنے کی ہمت نہ ہوتی۔"

تیسرا اقتباس "مسلمان" مدراس سے لیا گیا ہے جو اپنی ۱۰ جنوری کی اشاعت میں رقمطراز ہے۔

"موئے مقدس کی چوری کے بعد کشمیر میں جو ہنگامہ شروع ہوا تھا وہ مقامی طور پر محدود ہو کر رہ جاتا لیکن یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ پاکستانی شہریوں نے بغیر سمجھے بوجھے اس مسئلے پر فساد برپا کر دیا اور وہاں کی معصوم اقلیت پر مظالم ڈھائے۔ اس کی وجہ سے کلکتہ میں ہندو مسلم فسادات ہوئے اور کلکتہ کی بے گناہ مسلم اقلیت کو اس کا نشانہ بننا پڑا۔"

کوئی شخص اپنے آپ سے یہ سوال کر سکتا ہے: پاکستان ہندوستان کے خلاف جہاد کا نعرہ لگا کر، دشنام طرازی کر کے اور نفرت پھیلا کر کیا حاصل کرنا چاہتا ہے؟ فرقہ وارانہ جذبات کو بھڑکا کر فرقہ وارانہ جنون اور تنگ نظری کو ہوا دے کر کیا وہ ہندوستانی مسلمانوں کی کوئی مدد کر رہا ہے؟ کیا جہاد کا نعرہ لگانے سے ہندوستانی مسلمانوں کو کوئی فائدہ پہونچتا ہے؟ میں یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ کوئی بھی لڑائی مقدس نہیں ہوتی۔ ہر لڑائی بڑی ظالمانہ اور خون کی پیاسی ہوتی ہے اور اس سے بے حد تکالیف اور مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ پاکستان اتنا سیدھا سادا ہے کہ ان باتوں کو نہ سمجھے۔ وہ چاہتا ہے کہ ہندوستان میں آپس میں لڑائی جھگڑا ہو، شورش اور ہنگامہ ہو اور وہ سیاسی اور معاشی طور پر کمزور ہو جائے تاکہ اس کے ایک حصے پر اپنا ناجائز قبضہ جاری رکھ سکے جو بین اقوامی قانون کے تحت ہندوستان کا اسی طرح ایک حصہ ہے جیسے بمبئی یا دہلی ہے۔ اس طرح یہ پہلے ہی سے چینیوں کی طرح ہندوستان کو اندرونی طور پر کمزور کرنے کا کھیل کھیل رہا ہے اور چین کے خلاف اس کی دفاعی طاقتوں کو کمزور کر رہا ہے۔ لہٰذا میں اپنی حکومت کی طرف سے یہ صاف صاف کہہ دینا چاہتا ہوں کہ کوئی بھی چیز میں دہرا رہا ہوں کہ کوئی بھی چیز ہندوستان کی کسی بھی حکومت کو خواہ اس کا تعلق کسی پارٹی سے ہو، اتحاد، سالمیت اور وحدت کی موت کے پروانے پر دستخط کرنے کے لیے آمادہ نہ کر سکے گی۔

پاکستانی درخواست کا کوئی جواز نہیں

میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ حال میں ایسی کوئی بات نہیں ہوئی ہے جو سلامتی کونسل میں پاکستانی درخواست کا جواز بن سکے۔ سلامتی کونسل کے صدر کے نام جو خط ۱۶ جنوری ۱۹۶۴ء کو لکھا گیا ہے اس میں بتایا گیا ہے کہ ریاست جموں اور کشمیر میں ایک نہایت خطرناک صورت حال پیدا ہو گئی ہے اور یہ صورت حال ان غیر قانونی اقدامات کا براہ راست نتیجہ ہے جو حکومت ہند ریاست جموں اور کشمیر کی خصوصی حیثیت کو ختم کرنے کے لیے اٹھا رہی ہے۔ اور یہ کہ یہ اقدامات جموں اور کشمیر کو ہندوستان کے ساتھ ملا لینے کی سازش کا ایک حصہ ہیں اور حکومت ہند جان بوجھ کر سلامتی کونسل کی خلاف ورزی

کررہی ہے اور جموں اور کشمیر کو ہندوستان کے ساتھ ملا رہی ہے۔ یہ کوئی نئی شکایت نہیں ہے۔ ایسی ہی ایک شکایت پاکستان نے جون ۱۹۴۹ء میں کی تھی جبکہ ہندوستان کی دستور ساز اسمبلی نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ ہندوستانی پارلیمنٹ میں جموں اور کشمیر کی نمائندگی کے لیے ۴ سیٹیں مخصوص کر دی جائیں۔ اس وقت اقوام متحدہ کے کمیشن نے اس معاملے میں کوئی قدم اٹھانے سے انکار کر دیا تھا اور کہا تھا کہ حکومت ہند جو خالص قانونی اقدام کرتی ہے اس کی بنیاد پر اس کے خلاف کچھ کرنا مشکل ہے۔ اس طرح جب بھی وہاں کچھ تبدیلیاں لائی گئیں پاکستان نے اس طرح کی شکایتیں کیں۔ پاکستان کی موجودہ شکایت کے سلسلے میں یہ بتا دینا مناسب ہوگا کہ پاکستان کے مستقل نمائندے نے ۹۔ اکتوبر ۱۹۶۳ء (ایس ۵۴۳۰) کو سلامتی کونسل میں یہ شکایت پیش کر دی تھی۔ ہندوستان نے ۱۳۔ نومبر ۱۹۶۳ء (ایس ۵۴۴۵) کو اس کا جواب دے دیا تھا۔ پاکستان کے مستقل نمائندے نے ۵ جنوری ۱۹۶۴ء کو پھر دوسرا خط لکھا جس میں اس نے وہی شکایتیں دہرائی تھیں (ایس ۵۵۰۴)۔ اس کے بعد سے ایسی کوئی بات نہیں ہوئی ہے جو پاکستان کے ۱۶۔ جنوری ۱۹۶۴ء (ایس ۵۵۱۷) کے خط میں کہی گئی باتوں کو حق بجانب ثابت کر سکے کہ ریاست جموں اور کشمیر میں خطرناک صورت حال پیدا ہو گئی ہے اور اس پر غور کرنے کے لیے سلامتی کونسل کی میٹنگ فوراً بلائی جائے۔

ریاستوں کا الحاق ۔ پس منظر

مجھے ذرا تفصیل سے پاکستان کے اس الزام پر روشنی ڈالنے دیجیے کہ ہم لوگ کشمیر کو ہندوستان کے ساتھ ملا لینا یا اسے ضم کر لینا چاہتے ہیں۔ یہ بات شک اور شبہ سے بالاتر ہے کہ جب کشمیر کے مہاراجہ نے ہندوستان کے ساتھ معاہدۂ الحاق پر دستخط کر دیے اور اس وقت کے گورنر جنرل لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے اسے منظور کر لیا تو پورا کشمیر قانون اور دستور کے لحاظ سے ہندوستان کا ایک لازمی جزو بن گیا تھا۔ آزادی کے وقت برصغیر ہند کی سیاسی اور دستوری حالت کیا تھی اس پر نظر ڈالنا ضروری ہے۔ برطانوی ہند کے اوپر انگلینڈ کو حق حکومت حاصل تھی۔ ۵۶۰ سے زائد دیسی ریاستیں تھیں جو نیم خود مختار تھیں اور جن کی برطانوی حکو

اقتدار اعلیٰ کے اصول کے تحت حفاظت کرتی تھی۔ اس اصول کا مطلب یہ تھا کہ جہاں تک ان ریاستوں کا تعلق تھا شاہ انگلستان اور شہنشاہ ہندوستان کے لیے سب سے اعلیٰ اور مقتدر ہستی تھی جس سے یہ لوگ اپنی وفاداری کا اظہار کرتے تھے اور اس وفاداری کے صلے میں شاہ انگلستان ان کے محافظ تھے۔ جب برطانوی پارلیمنٹ نے ہندوستان کی آزادی کا قانون پاس کیا تو تمام اختیارات، جہاں تک برطانوی ہند کا تعلق ہے، ہندوستان کے عوام کو منتقل کر دیے گئے اور برطانیہ نے اقتدار اعلیٰ کا اصول بھی ختم کر دیا اور دیسی ریاستوں کے حکمرانوں کو یہ اختیار دے دیا کہ وہ ہندوستان یا پاکستان کے ساتھ ایسے انتظامات کر لیں جو ان کے خیال میں مناسب ہو۔ اسی وقت ملک تقسیم بھی کر دیا گیا اور اس کا ایک حصہ الگ ہو کر پاکستان کی صورت میں وجود پذیر ہوا لیکن ہندوستان کی موجودہ حکومت، حکومت برطانیہ کی جانشین ہے۔ پاکستان ایک نئی ریاست تھی جو وجود میں آئی۔ دیسی ریاستوں کو یہ بھی اختیار حاصل تھا کہ وہ ہندوستان یا پاکستان جس کے ساتھ چاہیں اپنا الحاق کر لیں۔ اس قانون میں ایسی کوئی بات نہیں کہی گئی تھی کہ معاہدۂ الحاق مشروط بھی ہو سکتا ہے۔ جب ایک بار ہندوستان کے گورنر جنرل یا پاکستان نے کسی خاص دیسی ریاست کا الحاق منظور کر لیا تو وہ ریاست دونوں میں سے کسی ایک ملک کا حصہ بن گئی۔ یہ بات خاص طور سے اہمیت رکھتی ہے کہ قانون میں ایسی کوئی بات نہیں رکھی گئی تھی کہ متعلقہ دیسی ریاست کے عوام کی مرضی معلوم کی جائے اور نہ ہی ایسا کوئی اصول رکھا گیا تھا کہ الحاق کے فیصلے کی توثیق ملحق ہونے والی ریاست کے عوام سے رائے لینے کے بعد ہوگی۔ تھوڑی دیر کے لیے جموں اور کشمیر کے سوال کو جانے دیجیے۔ اس قانون کے تحت بہت سی دیسی ریاستوں کا ہندوستان یا پاکستان کے ساتھ الحاق ہوا۔ ان کے معاملے میں ہندوستان اور پاکستان نے کبھی یہ سوال نہیں اٹھایا کہ یہ الحاق کسی لحاظ سے نامکمل ہے یا ان کو حتمی اور قطعی بنانے کے لیے کوئی اور قدم اٹھانے کی ضرورت ہے۔ صرف جموں اور کشمیر کے معاملے میں پاکستان جمہوریت اور خود ارادیت کو مقدس سمجھ کر اس کے حصول کے لیے اتنا جوش اور سرگرمی دکھا رہا ہے۔

یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ صرف برطانوی ہند کا بٹوارہ ہوا اور سرحد کا تعین کرنے والی لکیریں کھینچتے وقت صرف برطانوی ہند کے مسلم اکثریت والے صوبوں کو ملحوظ رکھا گیا تھا۔ دیسی

گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء میں الحاق کی دفعہ رکھی گئی تھی جس کو ہندوستان کی آزادی کے قانون میں شامل کر لیا گیا تھا،

"اگر کسی ہندوستانی ریاست کے فرماں روا نے کسی ملک کے ساتھ الحاق کے معاہدے پر دستخط کر دیے ہیں اور اس ملک کے گورنر جنرل نے اس کو منظور کر لیا ہے تو سمجھ لیا جائے گا کہ اس ریاست کا اس ملک کے ساتھ الحاق ہو گیا۔"

یہ قوانین برطانوی پارلیمنٹ نے پاس کیے تھے جس نے ہندوستان اور پاکستان کو وجود میں لایا۔ ان قوانین کی کسی بھی دفعہ پر ہندوستان، پاکستان اور انگلستان میں سے کوئی بھی اعتراض نہیں کر سکتا کیونکہ تینوں ملک اس معاہدے میں ایک فریق کی حیثیت سے شامل تھے۔

اب تمام باتوں یعنی قربت، رسل و رسائل کی سہولت، معاشی بندھن اور دوسرے امور کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ فیصلہ کرنا جموں اور کشمیر کے مہاراجہ کا کام تھا کہ ریاست کی بھلائی کس ملک کے ساتھ الحاق کرنے میں ہے۔ مذہب کا سوال سرے سے اٹھتا ہی نہیں۔ حالانکہ برطانوی ہند میں فرقہ وارانہ سوال بہت بڑے پیمانے پر اور افسوس ناک حد تک اُٹھ کھڑا ہوا تھا اور اس پر مسلم لیگ نے اپنی پالیسی کی بنیاد رکھی تھی لیکن جہاں تک تاریخی حقائق کا تعلق ہے دیسی ریاستوں کے لوگ اور خاص طور سے کشمیری عوام گو کئی دوسری قسم کی محرومیوں اور تکلیفوں کا شکار تھے لیکن انھیں مذہبی منافرت یا نا رواداری کے بھیانک نتائج کا شکار نہ ہونا پڑا تھا

لہٰذا اس دلیل میں کوئی وزن نہیں ہے کہ جموں اور کشمیر کا الحاق مکمل اور اٹل نہیں ہے کیونکہ اس ریاست کے لوگوں سے مشورہ نہیں کیا گیا ہے یا انھیں اپنی مرضی کے اظہار کا موقع نہیں دیا گیا ہے۔ یہ صاف ظاہر ہے کہ بین اقوامی قانون کے تحت اگر کسی ریاست کا حکمران کوئی معاہدہ کرتا ہے اور ایسا معاہدہ دونوں فریقوں کی باہمی رضامندی سے ہوتا ہے تو یہ ہر لحاظ سے ایک جائز معاہدہ ہوتا ہے اور اس پر عمل کرنا دونوں کے لیے لازم ہے۔ اور اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ اس پر عمل درآمد شروع کرنے سے پہلے وہاں کے لوگوں کی مرضی معلوم کی جائے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ مہاراجہ کشمیر کی حکومت کو پاکستان تسلیم

ریاستوں کی آبادی کی مذہبی نوعیت کیا ہے اس کے بارے میں کبھی کسی طرح کا کوئی سوال نہیں اٹھایا گیا تھا۔ کوئی دیسی ریاست ہندوستان کے ساتھ شامل ہوتی ہے یا پاکستان کے ساتھ، اس کا فیصلہ اس ریاست کے حکمرانوں پر چھوڑ دیا گیا۔ پاکستان نے بار بار یہ دلیل دی ہے کہ چونکہ ریاست جموں و کشمیر میں مسلمانوں کی اکثریت ہے اور چونکہ پاکستان ایک مسلم ریاست کی حیثیت سے وجود میں آیا ہے اس لیے قدرتی طور پر اسے پاکستان کا حصہ ہونا چاہیے۔ قانونی اور دستوری نقطۂ نظر سے یہ بات صحیح نہیں۔

برطانوی حکومت نے یہ بات بالکل واضح کر دی تھی کہ برطانوی ہند کو تقسیم کیا جا رہا ہے اور یہ اصول کشمیر اور سینکڑوں دوسری دیسی ریاستوں پر لاگو نہیں ہوتا۔ میں برطانوی حکومت کے ۳۔ جون ۱۹۴۷ء کے اعلان سے اقتباس پیش کرتا ہوں جو یہ ہے:۔

"ملک معظم کی حکومت یہ بات صاف کر دینا چاہتی ہے کہ اوپر کے جن فیصلوں (تقسیم ملک کے بارے میں) کا اعلان کیا گیا ہے ان کا تعلق صرف برطانوی ہند سے ہے اور ہندوستانی ریاستوں کے بارے میں اس کی پالیسی وہی ہے جو کیبنٹ مشن کے ۱۲ مئی ۱۹۴۶ء کے میمورنڈم میں بیان کی گئی ہے اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی ہے۔"

کیبنٹ مشن کا میمورنڈم حسب ذیل ہے:۔

"ملک معظم کی حکومت کو دیسی ریاستوں پر جو اقتدار اعلیٰ حاصل ہے وہ ختم ہو جائے گا اس کا مطلب یہ ہوگا کہ تاج برطانیہ سے تعلقات کی بناء پر ریاستوں کو جو حقوق حاصل تھے وہ ختم ہو جائیں گے اور ریاستوں نے تاج برطانیہ کو اپنے جو حقوق سپرد کر رکھے تھے وہ انھیں واپس ہو جائیں گے۔ اس طرح ایک طرف ریاستوں اور دوسری طرف تاج برطانیہ کے مابین جو سیاسی انتظامات تھے وہ ختم ہو جائیں گے۔ ایسی صورت میں جو خلاء پیدا ہوگا وہ دیسی ریاستیں برطانوی ہند میں جانشین حکومت یا حکومتوں سے وفاقی تعلقات قائم کر کے پورا کر سکتی ہیں اور اگر ایسا نہ کر سکیں تو وہ کسی ایک یا دونوں کے ساتھ خاص سیاسی انتظامات کر سکتی ہیں۔"

کرتا تھا اور میں نہیں سمجھتا کہ پاکستان اس بات سے انکار کرے گا کہ اس حکومت کے ساتھ پاکستان نے ۱۲ اور ۱۵۔ اگست ۱۹۴۷ء کو تار کے ذریعہ ایک معاہدہ کر لیا تھا کہ حالات کو جوں کا توں برقرار رکھا جائے۔ اس وقت پاکستان کی حکومت نے یہ سوال نہیں اٹھایا تھا کہ کیا مہاراجہ کی حکومت وہاں کے عوام کی مرضی اور خواہش کو ظاہر کرنے کی مجاز ہے یا نہیں؟ یہ کہ اس معاہدے کے جائز اور صحیح ہونے میں اسے کوئی شک ہے۔ اس طرح یہ بات صاف ہو گئی کہ بین اقوامی قانون کے تحت اس کی ضرورت نہیں ہوتی کہ معاہدے کا ایک فریق ایک تسلیم شدہ حکومت سے جس کے ساتھ معاہدہ کر رہا ہے قطع نظر کر کے یہ دیکھے کہ جو معاہدہ کیا گیا ہے اس کے بارے میں عوام سے پہلے رائے لی گئی ہے یا نہیں۔ درحقیقت اس الحاق کی تصدیق کشمیر کی سب سے بڑی سیاسی پارٹی نے بھی کی تھی اس کا ذکر میں بعد میں کروں گا۔

وہ واقعات جو جموں اور کشمیر کے الحاق کا باعث ہوئے

میں جموں اور کشمیر میں ہونے والے واقعات کا مختصراً ذکر کروں گا اور بتاؤں گا کہ کیا ان واقعات نے کسی طرح قانون اور دستوری صورت حال کو متاثر کیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ میں اس کونسل کو مطمئن کر سکوں گا کہ ان واقعات نے ذرا بھی کوئی اثر نہیں ڈالا ہے۔ جب معاہدۂ الحاق پر دستخط ہو گئے اور اسے منظور کر لیا گیا تو جموں اور کشمیر ہندوستان کا ایک حصہ بن گیا اور اسی دن سے وہ ملک کا ایک حصہ سمجھا جاتا ہے۔ لہذا کشمیر کو ملحق کر لینے یا اس کے مزید انضمام کے اقدامات کرنے کا کوئی سوال نہیں پیدا ہو سکتا۔ جو چیز پہلے ہی سے مکمل ہے اسے آپ اور زیادہ مکمل نہیں کر سکتے۔

پاکستان کے ممتاز وزیر خارجہ نے جموں اور کشمیر کے ہندوستان کے ساتھ الحاق کے قانونی پہلو کے متعلق کوئی نئی بات نہیں کی ہے۔ ان کی تقریر غلط بیانی، اہم حقائق کی پردہ پوشی اور ہندوستان کی آزادی کے قانون کی واضح دفعات سے روگردانی کا مجموعہ ہے اور ان میں وہی پرانی باتیں دہرائی گئی ہیں۔ میں اپنے مقدمے کی تفصیلات میں نہیں جاؤں گا کیونکہ سلامتی کونسل اس سے پوری طرح باخبر ہے اور آخری مرتبہ ۱۹۶۲ء میں اسے پوری وضاحت سے پیش کیا جا چکا ہے۔ میں صرف اس کے اہم نکتوں کا ذکر کروں گا۔

پاکستان کی کشمیر پر دباؤ ڈالنے کی چالیں اور قبائلی حملہ

دوسرے فرماں رواؤں کے برعکس جنھوں نے ۱۵۔ اگست ۱۹۴۷ء سے پہلے ہندوستان یا پاکستان کے ساتھ الحاق کا فیصلہ کر لیا تھا کشمیر کے مہاراجہ کوئی فیصلہ نہ کر سکے۔ لہذا یہ فیصلہ کرنے سے پہلے انھوں نے ہندوستان اور پاکستان دونوں سے ایک ایسا معاہدہ کرنے کی درخواست کی جس سے حالات جوں کے توں قائم رکھے جائیں اور یہ کہ ریل، رسائل، ضروری چیزوں کی سپلائی اور ڈاک اور تار کے انتظامات پہلے کی طرح برقرار رہیں کیونکہ کشمیر ہمیشہ ان چیزوں کے لیے برطانوی ہند پر انحصار کرتا آیا تھا۔ پاکستان نے ایسا معاہدہ کر لیا لیکن اس سے قبل کہ ہندوستان کے ساتھ بھی یہ معاہدہ ہو جائے قبائلیوں کا حملہ شروع ہو گیا۔ اس معاہدے کے باوجود پاکستان نے ریل و رسائل کا سلسلہ منقطع کر دیا، ضروری اشیاء کی سپلائی روک دی اور اس طرح کشمیر پر ناجائز دباؤ ڈالنا شروع کیا۔ جب اس دباؤ سے کام نہ نکلا تو پاکستان کے شہریوں اور قبائلیوں کا حملہ شروع ہو گیا۔ پاکستان سے مہاراجہ کی اپیل کا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ حملہ آوروں نے کشمیر کے مختلف حصوں میں تباہی و بربادی مچادی۔ ریاست کشمیر کی فوجیں حملہ آوروں کی اتنی بڑی تعداد کو روکنے کی اہل نہیں تھیں۔ واقعات بڑی تیزی سے رونما ہو رہے تھے اور وادیٔ کشمیر کو سخت خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ حملہ آوروں کو قتل و غارت گری، لوٹ اور آتش زدگی سے روکنے میں ناکام رہنے کی وجہ سے مہاراجہ نے حکومت ہند سے درخواست کی کہ ریاست جموں اور کشمیر کا ہندوستان کے ساتھ الحاق کرنے کی اجازت دی جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ کشمیر کی سب سے بڑی عوامی جماعت نیشنل کانفرنس کی طرف سے مدد کی ایک اپیل حکومت ہند کو موصول ہوئی۔ یہی جماعت عوام کے حقوق کے لیے لڑی تھی اور اسی نے انھیں مہاراجہ کی حکومت سے چھٹکارا دلانے کے لیے جدوجہد کی تھی۔ کیا میں کونسل کو شیخ عبداللہ کے جو اس وقت نیشنل کانفرنس کے لیڈر تھے، اور جن کے بارے میں پاکستانی وزیر خارجہ نے بڑے تحسین آمیز کلمات کہے ہیں، ایک بیان کی طرف توجہ

دلا سکتا ہوں' جو یہ ہے۔

"جب حملہ آور تیزی کے ساتھ سری نگر کی طرف بڑھ رہے تھے تو اس ریاست کو مکمل تباہی سے بچانے کے لیے ہماری سمجھ میں صرف ایک ہی راستہ آ رہا تھا اور وہ یہ تھا کہ ایک دوست پڑوسی سے مدد کی درخواست کی جائے۔ اس لیے نیشنل کانفرنس کے نمائندے حکومت ہند کی امداد حاصل کرنے کے لیے بذریعہ ہوائی جہاز دہلی پہنچے لیکن ہماری ریاست اور ہندوستان کے درمیان کسی دستوری رشتے کی غیر موجودگی میں ہندوستان کے لیے حملہ آوروں کو روکنے کے لیے کوئی موثر امداد دینا ممکن نہ تھا چوں کہ عوام کے نمائندے خود اس کے طلبگار تھے اس لیے حکومت ہند نے اس درخواست کو منظور کر لینے کے لیے آمادگی ظاہر کی۔ قانونی لحاظ سے معاہدۂ الحاق پر مہاراجہ کے دستخط ہونا چاہیے تھے اور مہاراجہ نے اس پر دستخط کر دئے۔"

شیخ عبداللہ نے فیصلہ کر دیا اور مجھے امید ہے کہ پاکستان اس فیصلے کو عوام کی رائے کے اظہار کی حیثیت سے بھی اور اس لحاظ سے بھی مانے گا کہ ہندوستان نے الحاق کے لیے کشمیر پر کوئی دباؤ نہیں ڈالا تھا۔

میں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ گورنر جنرل لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے معاہدۂ الحاق کو منظور کیا تھا۔ ۲۲۔ دسمبر ۱۹۴۷ء کو وزیر اعظم ہند نے پاکستان کے وزیر اعظم کو خط لکھا تھا جس میں پاکستان سے درخواست کی گئی تھی کہ وہ حملہ آوروں کی امداد نہ کرے اور اس جھگڑے کو طول نہ دے۔ ۳۰۔ دسمبر ۱۹۴۷ء کو پاکستان کے وزیر اعظم نے اس کا جواب دیا جس میں انھوں نے لکھا:

"جہاں تک حملہ آوروں کو مدد دینے کا الزام ہے ہم پوری شدت کے ساتھ اس الزام سے انکار کرتے ہیں۔ اس کے برعکس حکومت پاکستان حتی الامکان قبائلیوں کی ہمت شکنی کر رہی ہے اور انھیں روکنے کے لیے سوائے جنگ کے ہر طریقہ اپنا رہی ہے۔"

یکم جنوری ۱۹۴۸ء کو ہم نے سلامتی کونسل کا دروازہ کھٹکھٹایا اور اس تاریخ کو بھیجے گئے اپنے خط میں لکھا:

"حملہ آوروں کو جو پاکستانی شہری اور اس سے ملحق شمال مغربی علاقے کے قبائلیوں پر مشتمل ہیں، جموں اور کشمیر کے خلاف کارروائی کرنے کے لیے پاکستان سے جو مدد مل رہی ہے اس سے ہندوستان اور پاکستان کے درمیان عجیب صورت پیدا ہو گئی ہے۔ حکومت ہند سلامتی کونسل سے درخواست کرتی ہے کہ وہ حکومت پاکستان کو سمجھائے کہ وہ حملہ آوروں کی مدد سے فوراً باز آ جائے کیونکہ ایسی امداد ہندوستان کے خلاف جارحانہ کارروائی ہے۔"

اصل شکایت کنندہ ہندوستان

چونکہ اس واقعہ کو گزرے ہوئے بہت دن ہو چکے ہیں اس لیے اکثر یہ نہایت اہم بات نظر انداز ہو جاتی ہے کہ ہم ہی سلامتی کونسل میں شکایت لے کر پہونچے تھے اور پاکستان کی جارحیت کی شکایت کی تھی۔ ۱۵۔ جنوری ۱۹۴۸ء کو پاکستان کے وزیر خارجہ نے پھر اس بات کی پُر زور تردید کی کہ حکومت پاکستان حملہ آوروں کی امداد کر رہی ہے یا اس نے ہندوستان کے خلاف کوئی جارحانہ کارروائی کی ہے۔ اس کے برعکس وزیر خارجہ نے یہ کہا کہ ان کی حکومت قبائلیوں کی نقل و حرکت کو روکنے کے لیے جنگ کے علاوہ تمام دیگر کارروائیاں کر رہی ہے۔ انھوں نے مزید کہا کہ حکومت ہند کے یہ الزامات کہ حکومت پاکستان قبائلی فوجوں کو مدد دے رہی ہے یا یہ کہ ان فوجوں کا اڈہ پاکستان میں ہے یا پاکستانی فوج ان کو ٹریننگ دے رہی ہے بالکل غیر مصدقہ ہے۔ پاکستان نے یہ کبھی نہیں کہا کہ ہندوستان کشمیر میں جانے کا کوئی حق نہیں رکھتا۔

کشمیر پر ہونے والے قبائلی حملے میں پاکستان کا کوئی ہاتھ ہونے سے قطعی اور صاف صاف انکار مسئلہ کشمیر کا ایک نہایت اہم اور قابل ذکر پہلو ہے۔ یہ بات نہایت اہم ہے کہ اس وقت پاکستان نے کشمیر میں اپنی موجودگی کو حق بجانب ثابت کرنے یا وہاں موجود رہنے کے لیے کسی قسم کا کوئی مطالبہ نہیں کیا۔ پاکستان اس امر سے بخوبی واقف تھا کہ کشمیر میں اس کی موجودگی بین اقوامی قانون کے اصولوں کے خلاف ہے۔ اور وہ یہ اچھی طرح جانتا تھا کہ جو کارروائیاں وہ کر رہا ہے وہ غیر قانونی ہیں۔ اس وجہ سے پاکستان کشمیر میں اپنی موجودگی کا اقرار نہیں کرتا تھا

اور اس بات سے صاف صاف اور قطعی طور پر انکار کرتا تھا۔ لہٰذا میں نے جن حقائق کا ابھی ذکر کیا ہے ان سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ پاکستان اب جو یہ دلیل دیتا ہے کہ وہ کشمیریوں کی آزادی کی تحریک کی امداد کے لیے وہاں گیا تھا وہ بعد کی سوچی ہوئی بات ہے اور اس کا مقصد کشمیر پر حملے کے لیے ایک جھوٹا اخلاقی جواز پیش کرنا ہے۔ بعد میں پاکستان نے جو اعتراضات کیے ہیں جن کا میں ابھی ذکر کروں گا، ان سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ انھوں نے کوئی گول مول بات نہیں کی تھی بلکہ قصداً کذب بیانی کی تھی۔

یکم جنوری ۱۹۴۸ء کو ہندوستان نے جو شکایت پیش کی تھی پاکستان نے ۱۵۔ جنوری کو اس کا جواب دیا جس میں اس نے جموں اور کشمیر کا ہندوستان کے ساتھ الحاق کے جائز اور قانونی ہونے میں شک و شبے کا اظہار کیا تھا اور کہا تھا کہ یہ الحاق دھوکے اور تشدد سے کرایا گیا ہے۔ اگر دھوکا اور تشدد ثابت نہ ہو تو قانونی لحاظ سے یہ بات بالکل واضح اور صاف ہے کہ یہ الحاق قطعی طور سے جائز ہوگا اور اس پر عمل کرنا لازم ہوگا۔ جہاں تک دھوکے اور تشدد کا سوال ہے تو اس ضمن میں یہ بات پیش کی جا سکتی ہے کہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے حکومت ہند کی جانب سے مہاراجہ کشمیر سے یہ کہا تھا کہ "اگر آپ کی خواہش ہے تو آپ پاکستان سے الحاق کر لیں ہم اسے غیر دوستانہ فعل نہیں سمجھیں گے۔" یہ بھی ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ الحاق سے پہلے حملہ آوروں کا مقابلہ کرنے کے لیے ہندوستان کا ایک بھی فوجی کشمیر نہیں بھیجا گیا تھا۔ اگر کسی نے جموں اور کشمیر کی ریاست اور مہاراجہ کے خلاف کسی تشدد کا استعمال کیا ہے تو وہ پاکستان ہے۔ اگر جموں اور کشمیر کے مہاراجہ کو مجبور ہو کر ہندوستان کے ساتھ الحاق کرنا پڑا تو اس وجہ سے نہیں کہ ہندوستان نے کسی تشدد کا استعمال کیا تھا بلکہ اس لیے کہ پاکستان نے اس کا ارتکاب کیا تھا۔ لہٰذا حیرت کی بات یہ ہے کہ جس دھوکا دہی اور تشدد کا پاکستان شاکی ہے اس کا مرتکب ہندوستان نہیں بلکہ وہ خود ہے اور اس بات کو سمجھنے کے لیے قانون کی کوئی گہری واقفیت کی ضرورت نہیں ہے کہ کوئی فریق اپنی غیر قانونی حرکات کی دلیل دے کر کسی معاہدے کے خلاف اعتراض نہیں کر سکتا یا اس کی قانونی حیثیت کو کالعدم قرار نہیں دے سکتا۔

پاکستان کے وزیر خارجہ نے کہا ہے کہ معاہدۂ الحاق پر ہندوستان نے مہاراجہ کشمیر کے دستخط اس وقت کرائے جبکہ جموں اور کشمیر کے لوگ مہاراجہ کے خلاف علم بغاوت بلند کیے ہوئے تھے اور انھوں نے ریاست میں اس کے اختیارات کو ختم کر دیا تھا۔ اس بات میں حقائق کو بالکل توڑ مروڑ کر پیش کیا گیا ہے۔ یہ قبائلی حملہ آور اور پاکستانی شہری تھے جنھوں نے پاکستانی حکومت کی مدد اور اعانت سے کشمیر میں تباہی اور بربادی پھیلائی اور مہاراجہ کو مجبور کر دیا کہ وہ مصیبت کی نہایت سخت گھڑی میں ہندوستان سے مدد کا طالب ہو۔ اب پاکستان کو اس دکشمیر کے لیے بڑی تشویش ہے۔ ایک بار پھر میں شیخ عبداللہ کے بیان سے اقتباس پیش کروں گا کیونکہ ان کی شہادت بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ یہ ایک ایسے گواہ کی شہادت ہے جس کی آنکھوں کے سامنے سارے واقعات گزرے ہیں۔

"جب سری نگر کے لوگوں نے ہندوستان سے آنے والے جہازوں اور ہندوستانی فوج کے ٹینکوں کو گلیوں سے گزرتے ہوئے پہلی بار دیکھا تو ان کی مایوسی دور ہو کر خوشی اور مسرت میں بدل گیا۔ یہاں کے مسلمانوں، ہندوؤں اور سکھوں نے اطمینان کا سانس لیا کہ اب ان کی عزت اور وقار کا تحفظ ہو جائے گا۔ ہمیں وہ وقت نہیں بھولنا چاہیے۔"

پاکستان کے وزیر خارجہ نے ایک مطلق العنان مہاراجہ کا ذکر کیا ہے جس نے معاہدۂ الحاق پر دستخط کیے ہیں۔ کیا ان تمام ریاستوں کے حکمران جنھوں نے پاکستان کے ساتھ الحاق کیا ہے جمہوری خوبیوں کا کامل نمونہ تھے؟

پاکستان کا اقرار

جب ہندوستان اور پاکستان کے لیے مقرر کیے گئے اقوام متحدہ کے کمیشن نے جولائی ۱۹۴۸ء میں کراچی کا دورہ کیا تو پاکستان اس بات کو چھپا نہ سکا کہ جہاں تک قبائلیوں کے حملے کا تعلق ہے اس کے دامن پر کوئی دھبہ نہیں ہے اور سر محمد ظفر اللہ خاں نے کمیشن کو بتایا کہ پاکستانی فوج کی تین ریگولر بریگیڈیں مئی ۱۹۴۸ء سے کشمیر میں جنگ کر رہی ہیں۔

اسی بات کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم نے کمیشن کی ۱۳۔ اگست ۱۹۴۸ء اور ۵ جنوری ۱۹۴۹ء کی تجویزوں کو منظور کیا اور ۱۳۔ اگست ۱۹۴۸ء کی تجویز سے قطع نظر صرف یہی دو تجویزیں ہیں جنھیں ہم نے منظور کیا۔ ہماری منظوری کو اسی پس منظر میں دیکھنا اور سمجھنا چاہیے۔ ان تجویزوں

کی بنیاد یہی تھی کہ جموں اور کشمیر کے ایک حصے میں پاکستان کی موجودگی ناجائز ہے اور یہ کہ اسے اپنی فوجیں ہٹا لینی چاہئیں اور ہندوستان کے خلاف جارحیت کو ختم کرنا چاہیئے۔ ۱۳۔ اگست کی تجویز کے پیراگراف ۲ اے (۱) کے الفاظ سے یہ باتیں بالکل واضح ہو جاتی ہیں۔

"جب سے حکومت پاکستان نے سلامتی کونسل کو بتایا ہے کہ ریاست جموں اور کشمیر کے علاقے میں پاکستانی فوجیں موجود ہیں صورت حال میں اہم تبدیلی آ گئی ہے۔ حکومت پاکستان اس ریاست سے اپنی فوجیں ہٹا لینے کے لئے رضامند ہے۔"

پاکستان کا اس ضروری شرط کو پورا کرنے پر ہی کشمیر میں رائے شماری کرانے کا کوئی امکان پیدا ہو سکتا تھا۔ یہ صاف ظاہر ہے کہ سلامتی کونسل ہندوستان کو غالباً رائے شماری کا مشورہ اس وقت تک نہیں دے سکتی تھی جب تک کہ پاکستان کی غیر قانونی حرکت اور بین اقوامی قوانین کی جان بوجھ کر کی گئی خلاف ورزی کا خاتمہ نہ ہو گیا ہوتا۔ سلامتی کونسل ایک ملک کے خلاف دوسرے ملک کی کھلم کھلا جارحانہ حرکت کی پشت پناہی نہیں کر سکتی۔

یہ بات اکثر بھلا دی جاتی ہے کہ جب پاکستان داد رسی کے لیے سلامتی کونسل کے سامنے آتا ہے تو وہ ایک جارح کی حیثیت سے آتا ہے جس نے اب تک اپنی جارحیت کو ختم نہیں کیا ہے۔ آپ سے میری عرض یہ ہے کہ پاکستان نے اس عالی مرتبت مجلس کی سخت توہین کی ہے اور اس کی کوئی شنوائی نہ ہونی چاہیئے جب تک کہ وہ اپنے دامن کے دھبوں کو دھو کر نہ آئے۔ صرف یہی نہیں ہے کہ اس کا دامن داغ دار ہے اور یہ کہ وہ اپنی جارحیت کو حق بجانب بھی ثابت کرنا چاہتا ہے بلکہ اس قانونی الحاق کے خلاف بھی آواز اٹھاتا ہے جسے اقوام متحدہ کے کمیشن برائے ہندوستان اور پاکستان نے منظور کیا تھا اور جس کی بنیاد پر کشمیر میں پاکستان کی موجودگی کو غیر قانونی اور بین اقوامی قانون کے خلاف قرار دیا گیا تھا۔

پاکستان ابتداء سے جارح ہے

حافظے اتنے کمزور ہوتے ہیں کہ بعض وقت مجھے حیرت ہوتی ہے کہ پاکستان کو سلامتی کونسل کے سامنے اپنا اور ہندوستان کا کردار بدلنے کی اجازت دے دی جاتی ہے۔ وہ یہاں معصومیت کا لبادہ اوڑھے مظلوم بن کر آتا ہے اور ہمارے خلاف الزام تراشیاں کرتا ہے جیسے کہ ہم لوگ حملہ آور

ہیں۔ جب سے کشمیر کا قضیہ شروع ہوا ہے اور بلاشبہ اس معاملے نے بڑا طول کھینچا ہے پاکستان کی حیثیت اس پوری مدت میں ایک جارح کی رہی ہے حتیٰ کہ آج بھی وہ اسی جارحیت کا مرتکب ہے اور میرے خیال میں اسے ایسی کسی شکایت کا قطعی کوئی حق نہیں پہونچتا کہ ہندوستان اپنے ملک کے ایک حصے میں کیا کچھ کر رہا ہے۔

یہ کہا گیا ہے کہ الحاق سے قطع نظر ہندوستان کے کئی بڑے آدمیوں نے اس بات کی یقین دہانی کرائی تھی کہ ہندوستان کے ساتھ الحاق کے بارے میں ریاست جموں اور کشمیر کے لوگوں کی رائے معلوم کی جائے گی۔ یہ یقین دہانیاں جن کی تفصیل پاکستان کے وزیر خارجہ نے اپنی تقریر میں پیش کی ہے ہمیشہ اس امر کو ملحوظ رکھ کر دی گئی تھیں کہ پاکستان اپنی جارحیت کو ختم کرے گا اور کشمیر سے اپنی فوجیں ہٹائے گا کیونکہ یہ قدم شرط اولیں کی حیثیت رکھتا ہے۔ ہندوستان کے گورنر جنرل لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے ۲۷۔ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو مہاراجہ کو خط لکھا تھا۔ یہ خط مہاراجہ کو الگ سے لکھا گیا تھا۔ "میری حکومت کی یہ خواہش ہے کہ جوں ہی کشمیر میں امن و اماں بحال ہو جائے اور اس کی زمین حملہ آوروں سے پاک ہو جائے تو ریاست کے الحاق کا سوال عوام کے سامنے پیش کر کے طے کیا جائے۔"

"جوں ہی کشمیر میں امن و اماں بحال ہو جائے اور اس کی زمین حملہ آوروں سے پاک ہو جائے۔" میں ان الفاظ پر زور دیتا ہوں۔

حتیٰ کہ سولہ سال گزر جانے کے بعد آج بھی کشمیر کی سرزمین اُن حملہ آوروں سے خالی نہیں ہوئی ہے جو غیر قانونی طریقے سے اس ریاست کے بچے حصے پر قابض ہیں۔ ہر موقع پر جب بھی ہندوستان کے حکام نے وزیر اعظم یا کسی دوسرے شخص نے عوام کی رائے معلوم کرنے کی باتیں کیں تو ہمیشہ ہمارے اس مطالبے کو مد نظر رکھتے ہوئے کیں کہ پاکستان کشمیر سے ہٹ جائے گا۔ رائے شماری لوگوں کی رائے معلوم کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ یہ کوئی مقدس یا متبرک شے نہیں ہے۔ رائے معلوم کرنے کے دوسرے بھی ذرائع ہیں جو اتنے ہی کارآمد ہیں۔ گزشتہ بیس برسوں میں برطانوی حکومت نے اپنی بہت سی نوآبادیوں کو اختیارات سونپے ہیں لیکن اس نے رائے شماری کے ذریعے اپنی ان نوآبادیات کی رائے جاننے کے بارے میں کبھی نہیں

نہیں سوچا۔ ہندوستان میں بھی اس بات کو جانچنے کے لیے کوئی رائے شماری نہیں کی گئی کہ کیا برِصغیر کے لوگ آزادی چاہتے ہیں یا اس ملک میں رہنے والے مسلمانوں کی اکثریت تقسیم کی خواہاں ہے۔ حکومتِ برطانیہ اس نتیجے پر پہنچی کہ آزادی دے دی جائے اور ملک تقسیم کر دیا جائے کیوں کہ وہ اس بات سے مطمئن تھی کہ ان دونوں مسئلوں پر ایک طرف انڈین نیشنل کانگریس اور دوسری طرف مسلم لیگ عوام کی نمائندگی کرتی ہے۔ جموں اور کشمیر میں نیشنل کانفرنس ایک پارٹی کی حیثیت سے اس ریاست کے لوگوں کی غالب اکثریت کی نمائندگی کرتی ہے اور جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں اس نے ہندوستان کے ساتھ جموں اور کشمیر کے الحاق کی پوری پوری حمایت کی ہے۔

ہم نے سلامتی کونسل کے دو ریزولیوشن، ۱۳۔ اگست ۱۹۴۸ء اور ۵ جنوری ۱۹۴۹ء کو منظور کیا ہے۔ ان کے تحت کے بعد مزید کئی اقدامات کی ضرورت تھی۔ ۵۔ جنوری ۱۹۴۹ء کا ریزولیوشن جو رائے شماری سے متعلق ہے اس کی حیثیت ۱۳۔ اگست ۱۹۴۸ء کے ریزولیوشن کے مقابلہ میں ذیلی اور ضمنی ہے۔ یہ ایک طرح سے ایک عمارت کے ڈیزائن یا بلیو پرنٹ کی حیثیت رکھتا ہے۔ ۵ جنوری ۱۹۴۹ء کا ریزولیوشن بعد کی منزل ہے یہ اسی وقت بن سکتی ہے جب تک کہ بنیاد بن جائے یعنی ۱۳۔ اگست کی تجویز پر پورا پورا عمل کیا جائے۔

کشمیر کے عام انتخابات

رائے شماری کی باتیں اس لئے کی گئی تھیں کہ اس وقت کشمیر میں انتخابات نہیں ہوئے تھے۔ اس کے بعد سے کشمیر میں بالغان کی حق رائے دہندگی کی بنیاد پر تین انتخابات ہو چکے ہیں اور ان تینوں انتخابات میں وہ پارٹی برسرِ اقتدار آئی ہے جو بڑی مضبوطی اور شدت کے ساتھ ہندوستان کے ساتھ کشمیر کے الحاق کی حمایت کرتی ہے۔ ۱۹۶۲ء کا آخری انتخاب ہندوستان کے ووٹ دینے کے قوانین کے تحت اور ہندوستان کے انتخابی کمیشن کی زیرِ نگرانی ہوا تھا۔ ہمارے ملک میں بھی تین انتخابات ہو چکے ہیں۔ ہمارے بدترین دشمنوں نے بھی یہ نہیں کہا ہے کہ یہ انتخابات محض دکھاوے کے تھے یا یہ خفیہ اور آزادانہ نہیں تھے۔ کسی ممبر کے انتخاب کا فیصلہ ووٹ ہی سے ہوتا ہے اور یہ الیکشن آزادانہ طور پر

ہوئے تھے کہ ایک عام انتخاب میں ایک ریاست میں ایک ایسی پارٹی برسرِ اقتدار آئی جو ہندوستان کی سب سے بڑی پارٹی یعنی انڈین نیشنل کانگریس کی مخالف تھی۔ اس لیے اگر کشمیر کے لوگوں کی رائے جاننا ضروری تھا تو ان کی رائے ایک دو نہیں بلکہ تین مرتبہ معلوم کی جا چکی ہے۔ کشمیر میں ہونے والے انتخابات کی نوعیت کے بارے میں پاکستان کے وزیرِ خارجہ نے مختلف اخبارات سے اقتباسات دئے ہیں اور اس سے کافی فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے۔ کیا میں بھی ان ہی اخباروں میں سے ایک اخبار سے اقتباس پیش کر سکتا ہوں جس سے انھوں نے پیش کئے ہیں۔ یہ اقتباس مانچسٹر گارڈین سے لیا گیا ہے:

جموں کے انتخابات نیشنل کانفرنس کے لیے ایک بڑی اور سچی فتح کی حیثیت رکھتے ہیں۔

"کشمیر میں انتخابات ختم ہو چکے ہیں جموں میں نیشنل کانفرنس کا ہندو پرجا پریشد سے زبردست مقابلہ تھا۔ سوائے پانچ کے بقیہ تمام سیٹوں کے لیے دونوں میں مقابلہ تھا۔ زبردست کنویسنگ اور انتخابی سرگرمیوں کے بعد جیسی کہ ہندوستان کے ترقی یافتہ حصّوں میں دکھائی دیتی ہے نیشنل کانفرنس نے دو تہائی سیٹیں جیت لیں۔"

پاکستان کے وزیرِ خارجہ نے کہا ہے کہ ۱۹۶۲ء کے انتخابات میں ۳۲۔ امیدوار بلا مقابلہ منتخب ہوئے لیکن انھوں نے ان ۹ سیٹوں کا کوئی ذکر نہیں کیا جن کے لیے زبردست مقابلہ ہوا تھا۔

پاکستان کشمیر میں رائے شماری کے لیے ہمیشہ راگ الاپتا رہتا ہے وہ اس وجہ سے نہیں کہ وہ جمہوری اصولوں میں یقین رکھتا ہے۔ میں نے سمجھا تھا کہ خیرات کی طرح جمہوریت بھی گھر سے شروع ہوتی ہے اور قبل اس کے پاکستان ہمیں درس دے کہ ہم اپنے ملک کے ایک حصّے کے لوگوں کی رائے کیسے معلوم کریں۔ اسے کم سے کم اپنے ملک میں جمہوری ادارے قائم کرنے کی شروعات تو کر دینی چاہیئے۔ مجھے یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ اپنے وجود میں آنے کے بعد سے اس نے اپنے لوگوں پر مناسب حد تک بھروسہ نہیں کیا ہے اور انھیں اس کی اجازت نہیں دی ہے کہ وہ لیجسلیٹو اور پارلیمانی اداروں کے قیام کے لیے ایک عام اور براہِ راست انتخاب میں حصّہ لیں۔

وزیر خارجہ خود جانتے ہیں کہ ان کے صدر نے بار بار کہا ہے کہ پاکستان کے عوام اپنے جمہوری حقوق کے استعمال کے لائق نہیں ہیں اور آزادی کے سترہ سال بعد بھی پاکستان کے لوگوں کو بنیادی جمہوریت سکھائی جا رہی ہے جو جمہوریت کی بڑی ادنیٰ صورت ہے۔ رائے شماری کے لیے اصرار کرنے کی اصل وجہ یہ ہے کہ پاکستان یہ کوشش کر کے دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ ریاست میں بسنے والوں کو یہ یقین دلا کر ان کا مذہب خطرے میں ہے فرقہ وارانہ جذبات کو اُبھار سکتا ہے یا نہیں تاکہ ۱۹۴۷ء میں ہندوستان کی تقسیم کے المناک واقعات، قتل و خون، ترکِ وطن اور ناقابلِ بیان دکھ اور تکلیف دہرائے جا سکیں۔

اقوام متحدہ کی تجویز کی بنیاد یہ ہے کہ پاکستان اپنی جارحیت ختم کرے

لہٰذا جموں اور کشمیر کے بارے میں ہماری پوزیشن بالکل واضح اور غیر مبہم ہے۔ سلامتی کونسل کی جن دو تجویزوں میں رائے شماری کا ذکر ہے وہ مشروط تھیں۔ ان کے ساتھ یہ شرط تھی کہ پاکستان اپنی جارحیت کو ختم کرے مگر پاکستان نے اب تک اس پر عمل درآمد نہیں کیا ہے۔ حقیقت میں ان کی اہمیت شرط سے بھی کہیں زیادہ ہے۔ اس کی حیثیت بنیادی ہے جس پر دونوں تجویزوں کا ڈھانچہ کھڑا کیا گیا تھا اور چونکہ اس شرط کو پورا نہیں کیا گیا لہٰذا وہ بنیاد ہی ختم ہو گئی اور اب ان تجویزوں پر عمل کرنا ہمارے لیے لازم نہیں رہا۔ بہر حال وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اور بہت سی دوسری باتیں پیدا ہو جانے کی وجہ سے یہ تجویزیں فرسودہ ہو چکی ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد میں اس بات کی طرف آپ کی توجہ دلاؤں گا۔ ہمارے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ ہم سکون و اطمینان کے ساتھ کشمیر میں رائے شماری کی بات سوچیں کیونکہ اس سے ہمارے ملک کی سالمیت اور سیکولرازم کے بھی اصولوں کو ہم عزیز رکھتے ہیں انھیں خطرہ پیدا ہو جائے گا۔ میں اپنی حکومت کی طرف سے یہ صاف صاف بتا دینا چاہتا ہوں کہ کسی بھی حالت میں ہم کشمیر میں رائے شماری کے لیے رضا مند نہیں ہو سکتے۔

پاکستان کے عجیب و غریب اعتراضات

ہندوستان کے ساتھ کشمیر کے مزید الحاق اور انضمام کے نام نہاد پاکستانی الزام پر میں کچھ روشنی ڈالوں گا۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ چونکہ جموں اور کشمیر ہندوستان کا ایک حصہ ہے

اس لیے ہم جو کر رہے ہیں وہ یہ ہے کہ ایک مشمولہ ریاست کے ساتھ انڈین یونین کے تعلقات میں تطابق پیدا کریں۔ یہ اس طرح کی بات ہے جیسے ریاست ہائے متحدہ امریکہ اپنی پچاس وفاقی ریاستوں میں کسی ایک کے ساتھ سروکار رکھتی ہے اس لیے پاکستان نے جو سوال اٹھایا ہے وہ خالصتاً ہمارا گھریلو معاملہ ہے اور اس سے صرف ہندوستان کا تعلق ہے اور پاکستان اس میں دخل در معقولات کا کوئی حق نہیں رکھتا اور یہ مسئلہ اقوام متحدہ کے منشور کے تحت صریحاً اس کے حدود و اختیارات سے باہر ہے۔

لیکن اس کے باوجود ہم یہ دیکھیں کہ ہم نے ایسا کیا کیا ہے جس نے پاکستان کو برہم کر دیا ہے اور اس نے اسے نہایت ضروری سمجھ کر کونسل میں پیش کیا ہے۔ اس ضمن میں میں آپ کو بتاؤں گا کہ ہمارے دستور کے حصہ ۲۱ میں ایسی دفعات ہیں جو جموں اور کشمیر کے ساتھ ہمارے تعلقات کی وضاحت کرتی ہیں۔ اس حصے میں دوسری دفعات بھی ہیں جو انڈین یونین کے ساتھ بعض دوسری ریاستوں جیسے آندھرا پردیش، مہاراشٹرا اور پنجاب کے تعلقات سے سمبندھ رکھتی ہیں یہ دفعات محض وقتی اور عارضی ہیں۔ ان دفعات کا اطلاق اس وقت تک ہوتا رہے گا جب تک ان کی ضرورت سمجھی جاتی رہے گی۔ جب یہ ضرورت ختم ہو جائے گی یہ دفعات بھی منسوخ ہو جائیں گی اور دستور کی وہ دفعات جو تمام ریاستوں پر لاگو ہوتی ہیں ان ریاستوں پر بھی لاگو ہوں گی جن کے لیے اس حصے میں خاص انتظامات کیے گئے ہیں۔ اس سلسلے میں اس امر کا بھی ذکر کیا جا سکتا ہے کہ دستوری ڈھانچے کے اندر مرکز کے اختیارات میں برابر تبدیلی یا ترمیم ہوتی رہتی ہے۔ اس طرح مرکز اور اس کی مشمولہ ریاستوں کے آپسی تعلقات بھی بدلتے رہتے ہیں۔ یہ تبدیلیاں جو تھوڑے تھوڑے دنوں کے بعد ہوتی رہتی ہیں اور انڈین یونین کے نامیاتی ارتقاء کے وسیع عمل سے تعلق رکھتی ہیں۔ اب جن تبدیلیوں کے بارے میں سوچا گیا ہے اور جن کی ۱۴ جنوری ۱۹۶۴ء کے خط میں پاکستان نے شکایت کی ہے وہ یہ ہیں کہ ریاست کے سربراہ کا نام "صدر ریاست" سے بدل کر "گورنر" اور "وزیر اعظم" کا "وزیر اعلیٰ" کر دیا جائے۔ یہ صرف ناموں کی تبدیلی کی جا رہی ہے۔

دوسری بات جس کی شکایت کی گئی ہے کہ ہندوستانی پارلیمنٹ میں ریاست جموں اور کشمیر کے نمائندے اب براہ راست انتخاب کے ذریعے چنے جائیں اور کشمیر کی قانون ساز اسمبلی

کی سفارشوں پر مقرر کئے جائیں جیسا کہ اب تک ہوتا آیا ہے۔ اس میں کیا خرابی ہے؟ اس کے برعکس یہ سوچا جا سکتا تھا کہ چونکہ پاکستان کو کشمیریوں کے حق خود ارادیت کے استعمال کی بڑی فکر ہے اس لیے وہ ہندوستانی پارلیمنٹ کے لیے ان کے نمائندوں کے براہ راست انتخاب کو ترجیح دے گا۔

اس کے بعد دوسرا اعتراض بعض ترمیموں سے متعلق ہے جن کا مقصد مزدوروں سے متعلق زیادہ بہتر اور ترقی یافتہ قوانین کا نفاذ ہے۔ ہندوستان مزدوروں کی عالمگیر تنظیم (آئی۔ ایل۔ او) کا ممبر ہے اور اس نے ان کے بہت سے فیصلوں کو قبول کیا ہے۔ مزدوروں سے متعلق ہندوستانی قوانین ان فیصلوں کے مطابق ہیں۔ اب تک کشمیر میں ایسے کسی قانون کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔ چونکہ وہاں کارخانوں میں کام کرنے والے مزدوروں کا شاید ہی کوئی منظم گروہ تھا۔ اب وہاں کچھ معدنیات دریافت ہوئے ہیں اور کان کنی کی صنعت شروع ہو گئی ہے۔ اس لیے ضروری ہو گیا ہے کہ وہاں مزدوروں سے متعلق جدید قوانین رائج کئے جائیں تاکہ برائیوں کا سدباب ہو سکے۔ ہم مزدوروں کی عالمگیر تنظیم کے کنونشنوں کو منظور کر چکے ہیں اور اپنے ملک کے کسی حصے کے بارے میں ہم پر جو فرائض عاید ہوتے ہیں اس سے غافل نہیں ہو سکتے۔ اس لیے اس بات میں کیا اعتراض ہو سکتا ہے کہ ریاستی حکومت کے ساتھ ساتھ حکومت ہند بھی ڈاکٹروں اور دوسرے پیشوں سے متعلق قوانین بنانے کا اختیار حاصل کرے جبکہ ریاستی مجلس قانون ساز اس تبدیلی کے لیے رضامند ہے اور ریاست جموں اور کشمیر کی منتخب شدہ حکومت اس کے لیے پرزور طور سے استدعا کرتی ہے۔ ہم محسوس کرتے ہیں کہ کل ہند اور دوسری میڈیکل سروسوں کی وجہ سے ترقی ہو گی اور زیادہ کارکردگی پیدا ہو گی اور ملک کے مختلف حصوں کے پیشہ ورانہ معیار میں تال میل پیدا ہو گا۔ اس لیے یہ تمام تبدیلیاں کشمیریوں کے لیے فائدہ مند ہیں۔ یہ نہیں ہے کہ کسی انسانی حق کو کچلا جا رہا ہے۔ اگر ہندوستان کے وزیر اعظم نے یہ کہا ہے کہ دفعہ ۳۷۰ رفتہ رفتہ ختم ہوتی جا رہی ہے تو بالکل صحیح کہا ہے۔ کیونکہ دفعہ ۳۷۰ بالکل عارضی ہے اور یہ بتدریج ختم ہوتے ہوتے بالکل غائب ہو جاتا ہے۔

پاکستان کے وزیر خارجہ نے اپنی تقریر میں ریاست کے الحاق کے لیے مزید اقدامات کا ذکر کیا ہے اور اس سلسلے میں یہ باتیں کہی ہیں۔ مرکزی حکومت کا شاہراہوں، تار، ٹیلیفون، انکم ٹیکس، براڈکاسٹنگ اور کسٹم کے انتظامات کی ذمہ داری اپنے ہاتھوں میں لینا، ریاست کے محکمہ آڈٹ

اور اکاؤنٹس کو آڈیٹر جنرل آف انڈیا کے ماتحت کرنا، کسٹم کی بندشوں اور ریاست میں آنے اور باہر جانے کے لیے پرمٹ سسٹم کا خاتمہ۔ ریاست کے معاشی منصوبوں کو پلاننگ کمیشن کے ماتحت کر دینا، ریاست کشمیر کو سپریم کورٹ کے تابع کرنا، ہندوستان کے صدر کا بھی عاملانہ اختیارات کے ذریعے ریاست جموں اور کشمیر میں قوانین نافذ کرنے کا اختیار حاصل کرنا، تو پاکستان کے وزیر خارجہ کا کہنا ہے کہ یہ وہ زنجیریں ہیں جن سے ریاست جموں اور کشمیر کو جکڑا جا رہا ہے۔ ہم نے کشمیر میں جو کچھ کیا ہے یہ الزامات اس کو بالکل غلط رنگ میں پیش کرتے ہیں۔

کیا پاکستان یہ توقع رکھتا ہے کہ جب تک اس کی جارحیت باقی رہے ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں اور کشمیری عوام کی حالت بہتر بنانے کے لیے کچھ بھی نہ کریں؟ ہم نے جو بھی قدم اٹھایا ہے اور جس کا پاکستانی نمائندے نے ذکر کیا ہے وہ کشمیر کے حالات کو بہتر اور اس ریاست کو جدید بنانے کے لیے ہیں۔ پاکستان کے نمائندے نے جو الفاظ استعمال کیے ہیں اس پر غور کیجئے۔ "ریاست کے محکمہ آڈٹ اور اکاؤنٹس کو آڈیٹر جنرل آف انڈیا کے ماتحت کرنا۔" کیا ریاست کے حساب کتاب کی مناسب جانچ پڑتال آڈیٹر جنرل آف انڈیا جیسے خود مختار افسر کے ذریعے کرانا کوئی بری بات ہے۔ یا پاکستان یہ چاہتا ہے کہ کشمیر میں جو لوگ ریاست کے مالیہ کے ذمہ دار ہیں وہ عوام کے روپیہ کو جیسے چاہیں خرچ کریں؟ کسٹم کی بندشوں اور کشمیر آنے اور یہاں سے جانے کے لیے پرمٹ سسٹم کے خاتمے سے یقیناً تجارت اور کاروبار میں مدد ملے گی اور کشمیر اور ہندوستان کے دوسرے حصوں سے سامانوں کے آنے جانے میں جو غیر ضروری دیر لگتی ہے اس کا خاتمہ ہو گا۔ ہندوستان میں ایک پلاننگ کمیشن ہے جو ملک کی اقتصادی ترقی کے لیے منصوبے بناتا ہے۔ یہ منصوبے مختلف مرحلوں پر پورے غور و خوض اور بحث مباحثے کے بعد تیار کیے جاتے ہیں۔

ہم چاہتے ہیں کہ کشمیر بھی اس معاشی عمل میں حصہ لے جو منظم معاشی ترقی کا جدید طریقہ ہے اور جو ملک کے تمام لوگوں کے لیے مفید ہے۔ بلاشبہ یہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ کشمیر کو ہندوستان کی سپریم کورٹ کے دائرۂ اختیار کے تحت لانے پر اعتراض کیا جا رہا ہے۔ سپریم کورٹ ہمارے ملک کی سب سے بڑی عدالت ہے اور دستور کے تحت اسے شہریوں کے بنیادی حقوق کا محافظ بنایا گیا ہے۔ کشمیری عوام کے بنیادی حقوق کے تحفظ کے لیے ہی سپریم کورٹ کے دائرۂ اختیار کو کشمیر

تک وسیع کیا گیا ہے۔ ہندوستان کے صدر اس وقت تک قوانین نافذ نہیں کرتے جب تک کہ اس کی کوئی ضرورت محسوس نہ کی گئی ہو اور نفاذ سے متعلق جو شرطیں ہیں وہ پوری نہ ہوتی ہوں۔ ہمارا صدر ڈکٹیٹر نہیں ہے۔ وہ ریاست کے دستوری سربراہ ہیں اور صرف اسی مشورے پر عمل کرتے ہیں جو انہیں حکومت ہند نے دیا ہو، اور یہ حکومت پارلیمنٹ کو جواب دہ ہے۔ کشمیر میں ہونے والی ان تبدیلیوں کو زنجیر کی ایسی کڑیاں کہنا جس سے کشمیر کو جکڑا جا رہا ہے بلاشبہ الفاظ کا بالکل غلط استعمال ہے، بلکہ میں تو یہاں تک کہوں گا کہ گمراہ کن ہے۔ کشمیر کے بارے میں ہمارے جو فرائض ہیں ان کو ادا کرنے سے حکومت ہند کو کوئی چیز نہیں روک سکتی خواہ پاکستان کی طرف سے فن خطابت کا کتنا ہی مظاہرہ کیا جائے۔

پاکستان کے وزیر خارجہ اپنے تعصب کے پیدا کردہ جوش و خروش سے بے قابو ہو کر اس بیان سے متفق ہو گئے ہیں جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ شیخ عبداللہ کا ہے:

"ہندوستان کے خزانے سے کروڑوں روپے زیادہ تر کشمیری عوام کو کرپٹ بنانے کے لیے استعمال کیے گئے ہیں اور ان کی روح تقریباً مردہ ہو گئی ہے۔" (۱۰۸۷ ویں میٹنگ ص ۳۶)

ہندوستان کے ایک حصّے کی حیثیت سے کشمیر کی ترقی

آیئے دیکھیں کہ ہم کس طرح کشمیر کے لوگوں کو بگاڑ (کرپٹ) رہے ہیں اور روح کو تقریباً مردہ کر رہے ہیں۔ ۱۹۴۷ء میں ریاست جموں اور کشمیر کی سالانہ آمدنی ۵۵ لاکھ ڈالر تھی۔ ۱۹۵۹-۶۰ء میں یہ آمدنی ۲۳۵ لاکھ ڈالر ہو گئی۔ ۱۹۵۰-۵۱ء میں فی کس آمدنی ۳۸ ڈالر تھی اور ۱۹۵۹-۶۰ء میں ۴۸ ڈالر ہو گئی۔ ۱۹۵۱ء سے پہلے اناج کی پیداوار ۳ لاکھ ٹن تھی اور ۱۹۶۱ء میں ۵ لاکھ ٹن۔ ۱۹۵۱ء سے پہلے ۴۳۳۶ کلوواٹ بجلی پیدا ہوتی تھی اور ۱۹۶۱ء میں ۱۶ ہزار کلوواٹ بجلی پیدا ہونے لگی۔ ۱۹۴۷-۴۸ء میں کارخانوں کی تعداد ۴۴ تھی جو ۱۹۶۱ء میں ۱۳۸ تک پہنچ گئی۔ ۱۹۵۱ء سے پہلے سڑکیں فی ہزار مربع میل کے حساب سے ۲۰۵ میل تھیں ۱۹۶۱ء میں ان کا تناسب ۴۸ میل تھا۔ اس ملک میں جو باہری دنیا سے وزیر خارجہ کے الفاظ میں "آہنی دیوار" سے الگ کیا ہوا تھا ۱۹۵۱ء سے پہلے سیاحوں کی تعداد ۲۷۲۰۷ تھی جو ۱۹۶۱ء میں ۱۷ ہزار تک جا پہنچی۔ ۱۹۵۰ء سے پہلے پرائمری اسکولوں میں طلباء کی تعداد ۶۵ ہزار تھی جو ۱۹۶۱ء میں ۱۲ لاکھ ۷۹ ہزار ہو گئی۔ ۱۹۴۷-۴۸ء میں ہائی اور ہائر سیکنڈری اسکول ۵۲ تھے ۱۹۶۱ء میں ان کی تعداد ۲۴۳ تھی۔ ۱۹۴۷ء سے پہلے خواندگی کا تناسب ۶.۵ فی صدی تھا جو ۱۹۶۱ء میں ۱۲ فی صدی تک جا پہنچا۔ ہسپتالوں اور ڈسپنسریوں کی تعداد ۱۹۴۷-۴۸ء میں ۹۰ تھی اور ۱۹۶۱ء میں ۳۴۹۔ زندگی کا اوسط ۱۹۵۱ء سے پہلے ۳۲ سال تھا جو ۱۹۶۱ء میں ۴۷ سال ہو گیا۔ پاکستانی وزیر خارجہ کے الفاظ میں "ہندوستان کے نوآبادیاتی تسلط" کے دوران میں کسی ملک کا کتنا اندوہناک نقشہ ہے۔

موئے مقدّس — پاکستانی پروپیگنڈہ اور اصل حقیقت

اب میں اس بے بنیاد اور شر انگیز تعلق کا ذکر کروں گا جو پاکستان نے ۱۶ جنوری ۱۹۶۴ء کے خط میں ہندوستان اور اس کی مشمولہ ریاست کے مابین دستوری تعلقات کی تبدیلیوں اور حضرت بل کی درگاہ سے موئے مقدّس کی چوری میں پیدا کر دیا ہے۔ خط میں کہا گیا ہے کہ اس مقدّس تبرک کی چوری سے اس شدید بے اطمینانی اور غم و غصّے کا شعلہ بھڑک اٹھا جو ہندوستان کی پالیسی کی وجہ سے کشمیر میں روز بروز زور پکڑتا جا رہا ہے اور ہندوستان کے ساتھ اس ریاست کو ملانے کی حالیہ کوششوں کی وجہ سے اب یہ جذبہ جموں اور کشمیر کے عوام میں خاصا عام ہو گیا ہے۔ اور یہ کہ جب سے موئے مقدّس کی چوری ہوئی ہے جموں اور کشمیر کی مسلم آبادی نے دس دنوں سے زیادہ عرصے تک زبردست مظاہرے کر کے اس غصّے کا اظہار کیا ہے اور روزانہ ہزاروں مسلمان ماتمی جلوسوں کی شکل میں سری نگر کی گلیوں سے گزرے۔ آپ ملاحظہ کیجئے۔ جو کچھ کہا گیا وہ یہ ہے کہ جموں اور کشمیر کی مسلم آبادی نے مظاہرے کیے اور کوئی اس میں شامل نہیں ہوا۔ یہ بات صاف نظر آجائے گی کہ پاکستان نے کشمیر کے واقعہ کو فرقہ وارانہ رنگت دینے کی کوشش کی ہے۔ پاکستان کے لیے ہر بات فرقہ وارانہ ہے۔ فرقہ پرستی کی عینک کے بغیر وہ کچھ دیکھ ہی نہیں سکتا۔ پاکستان سمجھ ہی نہیں سکتا کہ کشمیر میں ہندو اور مسلمان کس طرح پُر امن طریقے سے رہ سکتے ہیں اور ان میں اچھے تعلقات ہو سکتے ہیں۔ پاکستان کا عقیدہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو ہندوؤں سے اور ہندوؤں کو مسلمانوں سے نفرت کرنی چاہیئے۔

جب موئے مقدّس چوری ہوا تو پاکستان نے سمجھا تھا کہ کشمیر میں فرقہ وارانہ فسادات ہوں گے

صرف یہی نہیں کہ پاکستان اس کا متوقع تھا بلکہ اس نے فساد بھڑکانے کی بڑی کوششیں کیں جیسا کہ اخبار میں شائع ہونے والے بیانوں اور پاکستان کے ذمہ دار افراد کی تقریروں سے ظاہر ہوتا ہے۔ ۴ جنوری ۱۹۶۴ء کو سکھر میں تقریر کرتے ہوئے صدر ایوب خاں نے کہا۔ "موئے مقدس کی چوری مقبوضہ کشمیر کے مسلمانوں پر زیادہ سے زیادہ مظالم ڈھانے کے لیے ایک جانی بوجھی ہوئی سیاسی سازش ہے۔" انھوں نے مزید کہا کہ کوئی مسلمان خواہ وہ کتنا گناہگار کیوں نہ ہو، ایسی بے ادبی کا مرتکب ہو ہی نہیں سکتا۔" اس لیے یہ بات بالکل یقینی ہے کہ کیونکہ کوئی مسلمان اس گھناؤنے جرم کے لیے ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جا سکتا اور اس طرح یہ بات صاف ہو گئی کہ یہ جرم سیاسی سازش کا نتیجہ ہے۔ یہ تمام باتیں بغیر کسی معقول ثبوت کے کہی گئی ہیں۔

جیسا کہ آپ نے دیکھا کہ اس تقریر میں یہ اشارہ ہے کہ کشمیر کے کسی ہندو نے اس مقدس تبرک کو چرایا۔ اس طرح کشمیر کے مسلمانوں کو ہندوؤں کے خلاف بھڑکایا گیا ہے۔

اب میں اسٹاک ہام کے مشہور اخبار "سوئنسکا ڈیگ لیدت" سے اقتباس پیش کروں گا۔

"... یہ یقین کرنا مشکل ہے کہ حضرت محمدؐ کے مقدس بال کی چوری کی وجہ سے ایسے جو ہنگامے کشمیر میں ہوئے ہیں اس کی ابتداء ہندوؤں نے کی ہوگی۔ اگرچہ قدرتی طور سے ہندوؤں میں بھی مذہبی جنونی بھی ہیں۔ یہ زیادہ قرین قیاس ہے کہ یہ کام کسی پاکستانی ایجنٹ نے کیا ہو اور غالباً ان پٹھانوں میں سے کسی ایک کا کام ہو جنھیں پاکستان کی طرف سے گزشتہ چند سالوں سے بھرتی کیا جا رہا ہے تاکہ وہ "الجیریا کی جنگ آزادی" کی طرح ہندوستانی کشمیر کو آزاد کرانے میں حصہ لیں ۔۔۔۔ اس طرح چین کا مقصد بھی پورا ہوتا ہے۔ ہندوستان کے لیے لداخ کے دفاع کا انحصار سری نگر کی وادی پر ہے۔ لداخ میں صرف ایک ہی سڑک ہے جو سیدھی سری نگر کو جاتی ہے اور اس لیے اس کی بے حد اہمیت ہے۔"

ریچرڈ فرشفیلڈ کے ڈیسپیچ سے اقتباس پیش کرتے ہوئے وزیر خارجہ مسٹر بھٹو نے بڑی آسانی سے اس کا ایک حصہ حذف کر دیا ہے۔ جو اقتباس مسٹر بھٹو نے پیش کیا ہے اس سے آگے یہ بھی موجود ہے۔

"اس دوران میں پاکستان کے وزیر خارجہ مسٹر بھٹو نے کشمیریوں پر زور دیا کہ وہ ہندوستان کی نگرانی میں چلنے والی حکومت کے خلاف بغاوت کر دیں۔"

اور وہی وزیر خارجہ آپ کے یہاں امن کی اپیل کرنے آئے ہیں۔ میں دہراتا ہوں۔ وزیر خارجہ مسٹر بھٹو نے کشمیریوں پر زور دیا کہ ہندوستان کی نگرانی میں چلنے والی حکومت کے خلاف بغاوت کریں۔ وزیر خارجہ کے بیان کا جو جملہ پیش کیا گیا ہے کیا وہ اسے صحیح مانتے ہیں؟

۴ جنوری ۱۹۶۴ء کے اکنامسٹ نے بھی مسٹر بھٹو کی تقریر کا حوالہ دیا ہے اور لکھا ہے:

"پاکستانی وزیر خارجہ مسٹر زیڈ۔ اے بھٹو نے ہندوستان کے "مقبوضہ" کشمیر پر الزام لگایا ہے کہ انھوں نے اس کی (تبرک) چوری کے لیے اکسایا ہے تاکہ "مظلوم مسلمان" دہشت زدہ ہو کر اپنے گھروں سے بھاگ جائیں۔ اگر سخت الفاظ استعمال نہ کیے جائیں تو کہا جا سکتا ہے کہ یہ الزام بڑا غیر معقول ہے۔ لیکن سوال یہ نہیں ہے کہ یہ غیر معقول ہے بلکہ یہ ہے کہ ایسا الزام لگایا گیا ہے۔"

اس طرح 'اکنامسٹ' نے اس نکتے کو سمجھ لیا ہے جو وزیر خارجہ مسٹر بھٹو کے الزام میں ہے کہ مظلوم مسلمانوں کو دہشت زدہ کرنے کے لئے اس چوری کے لیے اکسایا گیا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ کشمیر میں گڑبڑ ہو اور کشمیر کے لوگ خصوصاً مسلمانوں کے جذبات کو بھڑکایا جائے تاکہ وہ ہندوؤں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں۔

اب پاکستان کی بدقسمتی سے کشمیر کے لوگوں نے موئے مقدس کی چوری کے خلاف احتجاج کرنے کے لیے جو مظاہرے کیے ان میں مکمل فرقہ وارانہ اتحاد رہا۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جسے جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ چوری کے خلاف غم و غصہ کا اظہار کرنے میں ہندو اور سکھ اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ پوری طرح شریک تھے۔ ہندوؤں اور سکھوں کے لیے یہ تبرک مسلمانوں کا نہیں تھا کشمیر کا تھا بلکہ بلاشبہ سارے ہندوستان کا تھا۔ ہندوستان میں ہم ایک دوسرے کے مذہب کی عزت کرتے ہیں۔ ہندو مسلمان پیروں اور فقیروں کا احترام کرتے ہیں۔ اسی طرح مسلمان بھی کرتے ہیں۔ ہم سب مختلف فرقوں کے تہواروں اور تقریبوں میں شریک ہوتے ہیں۔ اس بات کو سمجھنے کے لیے ایک جدید سیکولر اور معقول نقطۂ نظر کی ضرورت ہے۔

ان مظاہروں کا ایک نہایت ہی اہم اور قابلِ ذکر پہلو یہ ہے کہ نہ صرف یہ ہندوستان کی حکومت کے خلاف نہ تھے بلکہ اس کے برعکس ان سے ہماری حکومت کی پالیسیوں میں مکمل اعتماد کا اظہار ہوا۔ بلکہ اس سے زیادہ تو یہ ہوا کہ انھوں نے مقامی حکام کی بجائے مرکزی حکومت سے اپیل کی کہ وہ اس جرم کا پتہ لگائے اور مجرموں کو سزا دے۔ کشمیری عوام کی اپیل کے جواب میں حکومت ہند نے اپنے اعلیٰ افسروں کو سری نگر بھیجا تا کہ وہ اس معاملے کی چھان بین کریں اور اس تبرک کو ڈھونڈ نکالیں۔ مرکزی حکومت کا اقدام کامیاب ثابت ہوا کیونکہ یہ تبرک ڈھونڈ نکالا گیا۔ اور اسے اپنی جگہ پر رکھ دیا گیا۔ ۴۔فروری ۱۹۶۴ء کو نیو یارک ٹائمز میں شائع شدہ ایک رپورٹ کے مطابق جس پر ۳۔فروری سری نگر کی تاریخ ہے۔

"مسلمان رہنماؤں کی ایک جماعت نے آج یہ فیصلہ کیا کہ وہ بال جو یہاں سے نزدیک ایک مسجد میں رکھا گیا ہے وہی موئے مقدس ہے جو ۲۶۔دسمبر کو گم ہو گیا تھا۔"

تازہ ترین اطلاعات کے مطابق جو مجھے ملی ہیں حضرت بل میں ۳۔فروری کو اس موئے مقدس کا دیدار کرایا گیا۔ بہت سے ممتاز مذہبی رہنماؤں نے موئے مقدس کو دیکھا جن میں زیادہ تر وہی تھے جن کو مجلس عمل (ایکشن کمیٹی) جس کا پاکستان کے وزیر خارجہ نے ذکر کیا ہے نے نامزد کیا تھا اور مسجد میں موجود بہت سے لوگوں کے سامنے یہ اعلان کیا کہ یہی اصلی موئے مقدس ہے جن لوگوں نے اس تبرک کو پہچانا ان میں مولانا مسعودی بھی شامل تھے جن کا پاکستان کے وزیر خارجہ نے اپنے بیان میں ذکر کیا ہے۔ چوری کی تفتیش آخری مراحل میں ہے اور ملزموں پر بہت جلد مقدمہ چلایا جائے گا۔ یہ صحیح ہے کہ مظاہرے مقامی حکومت کے خلاف کئے گئے تھے لیکن جمہوری نظام میں عوام کا یہ بنیادی حق ہے کہ وہ اپنی حکومت سے بے اطمینانی کا اظہار کریں۔ ایسے مظاہرے زیادہ ترقی یافتہ سماج میں ہی ہوتے ہیں۔ ایک جمہوری ملک کے لوگوں کو نہ صرف اس بات کا حق ہوتا ہے کہ وہ حکومت میں عدم اعتماد کا اظہار کریں بلکہ اس حکومت کو گدی سے اتار کر دوسری حکومت کے انتخاب کرنے کا بھی حق ہوتا ہے۔

سری نگر میں ہونے والے مظاہروں کی نوعیت کے متعلق میں جو کچھ کہہ رہا تھا اس کی پوری تصدیق غیر ملکی نامہ نگاروں کی شہادت سے بھی ہوتی ہے جو وہاں موجود تھے اور جنھوں نے اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھا تھا۔

انگریزی کے ایک مشہور اخبار "گارڈین" جس کا ذکر مسٹر بھٹو نے بھی کیا ہے اپنی ۶ جنوری ۱۹۶۴ء کی اشاعت میں لکھا ہے:

"کل حکومت کے اس اعلان کے بعد کہ موئے مقدس مل گیا ہے سری نگر کی گلیوں میں لوگ ناچنے اور گانے لگے۔ ایک ایسے شہر میں جہاں افسردگی اور غصہ چھایا ہوا تھا، اچانک خوشی اور مسرت کی لہر دوڑ گئی۔"

۲۲ جنوری ۱۹۶۴ء کے نیو یارک ٹائمز نے تھامس۔ ایف۔ بریڈی کی یہ خبر شائع کی ہے:

"کشمیریوں کا چوری کے واقعے کے بعد اپنی مقامی حکومت کے خلاف بے اطمینانی کا اظہار احتجاجوں اور فسادات کی شکل میں ہوا۔ لیکن ایسا ظاہر ہوا کہ ان کی بے اطمینانی ہندوستان کی قومی حکومت کے خلاف نہیں تھی۔ یہاں کی مسلمانوں کی اکثریت نے ہندو اقلیت کے خلاف کسی دشمنی کا اظہار نہیں کیا۔ اس کے برعکس، پتہ یہ چلا کہ تبرک کے غائب ہو جانے کے بعد آتش زدگی اور لوٹ مار کے جو واقعات ہوئے اس کا خاص نشانہ ریاست کے سابق وزیر اعظم بخشی غلام محمد اور ان کے بھائی اور سیاسی دست راست بخشی رشید کے تجارتی مفادات بنے۔ یہ دونوں مسلمان ہیں۔"

میں یہاں بخشی غلام محمد یا ان کے بھائی کی وکالت کرنے نہیں آیا ہوں۔ اس اقتباس کو پیش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ مظاہرے مقامی حکومت کے خلاف ہوئے حکومت ہند کے خلاف نہیں۔

۵ جنوری ۱۹۶۴ء کے نیو یارک ٹائمز میں یہ چھپا۔

"یہاں اس خیال کا بھی اظہار کیا جا رہا ہے کہ پاکستان نواز عناصر نے ہندوستانی نواز کشمیری حکومت کو بدنام کرنے کے لیے بال چرایا ہے۔"

وزیر خارجہ نے ایک ہندوستانی کالم نویس کے خیالات کو پیش کیا ہے جو ۹ جنوری کے "ہندوستان ٹائمز" میں شائع ہوئے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ کالم نویس بخشی غلام محمد کی حکومت یا موجودہ جانشین حکومت سے خوش نہیں ہے۔ ایک آزاد ملک میں جہاں پریس کو پوری پوری آزادی حاصل ہے۔ ہر شخص کو اپنے خیالات کے اظہار کا حق حاصل ہے۔ بہرحال اس کالم نویس

کے ساتھ انصاف کرتے ہوئے میں اسی مضمون کا دو پیراگراف پڑھوں گا جو مسٹر جیٹو ظاہر
کیوں چھوڑ گئے ہیں۔

"لیکن اس نمایاں حقیقت کو مدِ نظر رکھنا پڑے گا کہ کشمیری عوام نے اپنے غصّہ اور مایوسی کا اظہار فرقہ پرستی یا ہندوستان کے خلاف جذبات کی صورت میں نہیں کیا۔ عوام نے رضاکاری اور رہبری کے لیے پاکستان نواز عناصر کی طرف رجوع نہیں کیا۔ ان کا اپنا مطالبہ یہ تھا کہ اس بے حرمتی کا پتہ لگانے، مجرموں کو سزا دینے اور اس بات کا یقین دلانے کے لیے کہ کشمیر میں پھر فتنی کی حکومت قائم نہیں ہوگی، ہندوستان کو مداخلت کرنی چاہئے۔

"کشمیریوں نے بالکل واضح اور غیر مبہم فیصلہ دے دیا ہے۔ وہ اس بات کی امید کرنے کا حق رکھتے ہیں کہ انھوں نے ایک اچھے اور صاف ستھرے انتظامیہ کے قیام کے لیے جو ان کی ضرورتوں اور تمناؤں کے مطابق ہو، اپنی مرضی کا اظہار کر دیا ہے۔ انھوں نے ہندوستان میں اپنے یقین اور اعتماد کا اظہار کیا کہ وہ صحیح قدم اٹھائے گا۔ کیا ہم ان کی (کشمیری عوام) کی خواہش کو نظر انداز کر سکتے ہیں؟"

تو ان تمام اقتباسات میں اس پر زور دیا گیا ہے کہ کشمیر کے لوگوں کو ہندوستان پر اعتماد ہے اور یہ چاہتے ہیں کہ ہندوستان مداخلت کرے اور یہ کہ وہ مقامی حکومت سے مطمئن نہیں ہیں۔

کشمیر میں فتنہ و فساد پیدا کرنے کی ناپاک کوششوں میں ناکام رہنے کے بعد پاکستان نے مشرقی پاکستان کی طرف اپنی توجہ مبذول کی اور کھلنا اور جیسور میں شدید قسم کے فسادات بھڑک اٹھے اور مسلمانوں نے ہندو اقلیت پر حملے کیے اور وہاں لوٹ مار، آتش زدگی اور چھرے گھونپنے کے ہولناک واقعات رونما ہوئے۔ ڈری اور سہمی ہوئی اقلیت بہت بڑی تعداد میں ہندوستان کی طرف چل پڑی جو سرحد سے ملا ہوا ہے۔ یہ بڑی عجیب بات ہے کہ کشمیر کی مسلم اکثریت نے اس شبہے کا اظہار نہیں کیا کہ تبرک کی چوری میں ہندوؤں کا ہاتھ ہے، لیکن ڈیڑھ ہزار میل دور مشرقی پاکستان کے مسلمان ہندوؤں کے خلاف مظاہرے کر رہے تھے اور کشمیر کی ہندو اقلیت کو مسلمانوں کے خلاف کارروائی کا ملزم قرار دے رہے تھے۔

مشرقی پاکستان کے فسادات۔ غیر ملکی اخبارات کی رائے

کیا میں ۱۹۔جنوری ۱۹۶۴ء کے "نیویارک ٹائمز" میں جیکویس نیوارڈ کے بھیجے گئے ڈیسپیچ سے چند جملے پیش کر سکتا ہوں؟

"یہاں کے چند ہی لوگ (یہاں سے مراد مشرقی پاکستان، جہاں فسادات ہوئے) اس بات کو جس کی تائید حکومت بھی کرتی ہے، صحیح سمجھتے ہیں کہ مشرقی پاکستان کے فسادات اس وجہ سے ہوئے کہ تین ہفتے پہلے حضرت محمدؐ کا موئے مقدس غائب ہو گیا تھا۔"

"اس تبرک کے کھو جانے کے خلاف احتجاج کرنے کے لیے جیسور اور کھلنا سے (پاکستان) سرکار کی تائید اور منظوری سے جو جلوس نکالے گئے، وہ بے قابو ہو گئے، اور اس کا نتیجہ ہندوؤں کے خلاف فساد میں نکلا۔"

کھلنا کے فسادات کا اثر کلکتہ میں ہوا اور اس کے نتیجے میں یہاں بھی فسادات ہو گئے۔ مشرقی پاکستان سے پناہ گزینوں کی بڑی تعداد شہر میں پہونچی جس نے بتایا کہ سرحد کی دوسری طرف ان کے ہم مذہبوں پر کیا بیتی ہے۔ کلکتہ کے ہندوؤں کے جذبات بھڑک اٹھے اور ایک افسوس ناک واقعہ ظہور میں آیا جس میں مسلمانوں کی جانیں گئیں اور کچھ مکانوں میں جن میں مسلمان رہتے تھے، آگ لگا دی گئی۔

کلکتہ کے فسادات - ابتداء اور روک تھام

جناب چاگلا - ایک عینی شاہد

اتفاق سے میں خود ان چار دنوں میں کلکتہ میں تھا جبکہ وہاں فسادات ہو رہے تھے۔ میں وزیر تعلیم کی حیثیت سے وہاں سرکاری دورے پر گیا تھا اور میں نے اپنی آنکھوں سے وہ سب کچھ دیکھا ہے جو مغربی بنگال کی حکومت نے اس فساد کو ختم کرنے کے لیے کیا۔ مغربی بنگال کے وزیر اعلیٰ نے جو سخت قدم اٹھائے اس کے لیے میں ان کی تعریف کرتا ہوں۔ انھوں نے فوراً فوج بلوائی اور پورے شہر میں کرفیو لگا دیا۔ ہمارے وزیر داخلہ شری نندہ کلکتہ پہونچ گئے، اور مزید اقدامات اٹھائے گئے۔ تقریباً ۵ ہزار غنڈوں کو گرفتار کیا گیا، امن و امان بحال کرنے کے لیے شہریوں کی ایک کمیٹی بنائی گئی اور یقین دہانی

کروائی گئی اور مسلمانوں کے مکانوں کی تباہی و بربادی سے مکان یا زمین کے مالکوں کو فائدہ اٹھانے نہیں دیا جائے گا اور جہاں تک ممکن ہوگا مسلمانوں کو ان ہی مکانوں میں بسایا جائے گا جہاں وہ پہلے رہتے تھے ۔ میں مغربی بنگال کی گورنر مسز پدمجا نائیڈو ایک قابلِ احترام ماں کی قابلِ احترام بیٹی کے ساتھ ٹھہرا ہوا تھا ۔ انھوں نے گورنمنٹ ہاؤس کا بڑا حصہ ان مسلمانوں کو پناہ دینے کے لیے کھول رکھا تھا جن کا گھر بار لٹ گیا تھا ۔ کلکتہ کے فسادات کو بڑی سختی سے دبا دیا گیا اور آج وہاں امن ہے اور حالات معمول پر آگئے ہیں لیکن فرقہ وارانہ فسادات کی ہولناک کہانی یہیں ختم نہیں ہو جاتی اس کے بعد ڈھاکہ ، نرائن گنج ، چٹاگانگ ، باریسال اور مشرقی پاکستان کے بہت سے دوسرے اضلاع میں فسادات کی آگ بھڑک اٹھی اور بڑے ہولناک مناظر دیکھنے میں آئے حتیٰ کہ رائٹر جیسی اہم خبر رساں ایجنسی کے مطابق تقریباً ایک ہزار ہندو مارے گئے ۔ ہماری اپنی اطلاع کے مطابق پورے مشرقی پاکستان میں مارے جانے والوں کی تعداد اس سے کہیں زیادہ ہے ۔ فسادات ختم نہیں ہوئے اور تناؤ اب تک باقی ہے ۔ ڈھاکہ میں متعین ہندوستان کے ڈپٹی ہائی کمشنر کو ۴۰ ہزار گھرانوں کی طرف سے جو ۲ لاکھ افراد پر مشتمل ہوں گے ، ترکِ وطن کی درخواستیں ملی ہیں ۔ صرف آسام کے ایک ضلعے گارو ہلز میں مشرقی پاکستان سے ۲۰ ہزار پناہ گزین پہونچ گئے ہیں ۔ یہ سرکاری اعداد ہیں ۔

میں یہ اعداد پیش کرنا نہیں چاہتا تھا کیونکہ یہ بڑے ہی ناخوش گوار اور تکلیف دہ ہیں ۔ لیکن میں نے محسوس کیا کہ مجھے سلامتی کونسل کے سامنے پوری تصویر پیش کر دینی چاہیئے چونکہ پاکستان کے معزز ، وزیر خارجہ نے اس کا صرف ایک ہی رُخ پیش کیا ہے ۔

میں یہ بات صاف کر دینا چاہتا ہوں کہ مشرقی پاکستان میں چاہے کچھ بھی ہو ہم ان مجرموں کو کبھی معاف نہیں کریں گے جنھوں نے بے گناہوں کی جانیں لی ہیں ۔ ہمارے نزدیک مسلمان کی جان بھی اتنی ہی عزیز ہے جتنی ایک ہندو کی ہے کیونکہ دونوں ہی ہندوستانی شہری ہیں ۔ ہم قتل و خون لوٹ مار اور آتش زدگی کی سخت مذمت کرتے ہیں چاہے یہ کہیں بھی ہو اور اس کی وجہ کچھ بھی ہو ہم انسانی زندگی کی عزت کرتے ہیں اور فرقہ وارانہ تعصب اور جنون سے نفرت کرتے ہیں ۔

صلح و آشتی کے لیے وزیر اعظم کی اپیل

جیسا کہ ہمارے وزیر اعظم نے بستر علالت سے ۲۳ جنوری ۱۹۶۴ء کو قوم سے اپیل کرتے ہوئے کہا :

" ہم نے گزشتہ چند دنوں میں مشرقی پاکستان میں ہونے والے افسوس ناک واقعات کی خبریں سنی ہیں جن میں بہت سے بے گناہ مردوں ، عورتوں ، بچوں کی جانیں گئی ہیں ۔ اس خبر سے قدرتی طور پر ہمیں سخت صدمہ پہنچا اور ہمیں بے حد تشویش ہے ۔ مجھے امید ہے کہ میرے ملک کے عوام صبر و سکون سے کام لیں گے اور ان واقعات سے اشتعال میں نہ آئیں گے یہ صبر و تحمل ، رواداری کی ہماری قدیم روایت کے عین مطابق ہوگا جو ہمارا قابلِ فخر ورثہ ہے ۔ دوسری جگہ چاہے جو کچھ بھی ہو ہندوستان کے شہری اپنے آپ کو اس ورثے کا اہل ثابت کریں گے اور اپنے دوسرے بھائیوں کے ساتھ خواہ ان کا مذہب یا عقیدہ کچھ بھی ہو امن و خیر سگالی سے رہنے کا مقدس فریضہ اچھی طرح انجام دیں گے ۔ صرف اسی طریقے سے ہم اپنے آپ کو اس ورثے کا اہل ثابت کر سکیں گے اور اس اعتماد کے لائق بن سکیں گے جو ہمارے رہنما مہاتما گاندھی نے ہم پر کیا تھا اور آزادی ، جمہوریت اور سیکولر ریاست کے جن اصولوں کو ہم نے عزیز رکھا ہے ، اس کے قابل بن سکیں گے ۔ "

پاکستان نے فسادات کی آگ بھڑکائی

مجھے یہ کہتے ہوئے افسوس ہو رہا ہے کہ پاکستان کا رویہ اس سے مختلف ہے ۔ اپنی پالیسی ، اپنے افعال اور اپنے بیانات کے ذریعہ اس نے جان بوجھ کر فسادات برپا کرائے ہیں ۔ پاکستان کا جہاد کی تبلیغ کرنے اور بلا کسی ثبوت کے ہندوؤں کو مقدس تبرک چرانے کا ملزم گرداننے سے پہلے ہندوستان کے دونوں فرقوں میں امن چین اور میل ملاپ تھا ۔ اس نے قصداً اور خاص مقاصد کے پیشِ نظر ایک ایسا ماحول پیدا کیا کہ پاکستان میں فسادات پھوٹ پڑیں ۔ ہزاروں بے گناہوں کی جانیں گئیں اور اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ ہندوؤں کی جانیں گئیں یا مسلمانوں کی ۔ چاہے ایک متعصب مسلمان یا ہندو نے یا ایک ہندو یا مسلمان غنڈے نے بے گناہوں کو مارا ہو ۔ لیکن حکومت پاکستان ان بے گناہ لوگوں کی موت کی ذمہ داری سے بری الذمہ قرار نہیں دی جاسکتی ۔ ہم ہندوستان میں اپنے تمام شہریوں سے یکساں سلوک

کرتے ہیں۔ ہم انھیں ایک جیسے حقوق دیتے ہیں اور مکمل فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے خواہاں ہیں۔ ہم نے اپنے مقصدوں کامیابی بھی حاصل کرلی ہے اور اگر ہمیں اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے تو ہمارے یہاں کسی بھی قسم کا کوئی فرقہ وارانہ جھگڑا پیدا نہ ہو۔ لیکن جب کبھی ہمارے ملک میں فرقہ وارانہ فساد ہوا ہے تو ہم نے انھیں سختی سے دبا دیا ہے۔ اس کے برعکس پاکستان نے اپنے قیام کے بعد ہی سے اپنی پالیسی فرقہ وارانہ نفرت اور تعصب پر رکھی ہے اس لیے کشمیر کے مسلمانوں کو ہندوستان کے خلاف بغاوت کرنے کے لیے اکسایا ہے اور ہمیشہ سے یہ راگ الاپتا رہتا ہے کہ ہندو اور مسلمان دو قومیں ہیں۔

مجھے یہ بتانے دیجئے کہ دونوں ملکوں کے درمیان تعلقات کو بہتر بنانے کے لیے ہم نے کیا کوششیں کی ہیں اور اس کے بدلے میں پاکستان نے کیا کیا۔ ہمارے وزیر اعظم نے کئی بار پاکستان سے کہا ہے کہ ہم دونوں جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کرلیں۔ انھوں نے کہا کہ دونوں ملکوں کو اپنے اختلافات پُرامن طریقے سے طے کرلینے چاہئیں اور اس کا فیصلہ کرلینا چاہئیے کہ کسی بھی حالت میں اور کسی بھی وجہ سے ہم ایک دوسرے سے جنگ نہیں کریں گے۔ لیکن اس پیشکش کو قبول کرنے سے انکار کر دیا گیا۔ کیوں؟ کیا پاکستان کے دل میں کوئی چور ہے؟ لیکن وہ بعض حالات کے تحت ہندوستان کے خلاف تشدد استعمال کرنا چاہتا ہے؟ جب یہ حالیہ فسادات بھڑک اٹھے تو ہمارے صدر نے صدر ایوب خاں سے کہا کہ ہم دونوں امن وامان قائم رکھنے کے لیے اپنے اپنے عوام کے نام ایک مشترکہ اپیل جاری کریں۔ لیکن مشترکہ اپیل کی یہ معقول تجویز بھی ٹھکرا دی گئی جو دونوں ملکوں کے سربراہوں کی مشترکہ اپیل ہونے کے ناطے نہایت مفید نفسیاتی اثرات پیدا کرتی۔ بعد میں ہم نے تجویز پیش کی کہ ہندوستان اور پاکستان دونوں کے وزرائے داخلہ آپس میں ملیں، فساد سے متاثرہ علاقے کا دورہ کریں اور مشورہ دیں کہ ایسے واقعات کی روک تھام کے لیے کون سے مزید اقدامات کیے جائیں۔ اس کے جواب میں ہمیں ایک جوابی تجویز بھیج دی گئی جو انکار کے مترادف تھی۔

پاکستان کے وزیر خارجہ نے بعض ان مذاکرات کا ذکر کیا ہے جو کشمیر کے بارے میں ہندوستان اور پاکستان کے درمیان ہوئے تھے اور اس سے یہ سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ بات چیت

ہندوستان کے سخت رویے کی وجہ سے ناکام ہوگئی۔ اب مجھے یہ بتانے دیجئے کہ اصل حقیقت کیا تھی۔ بات چیت کے پچھلے دور کے موقع پر جو راولپنڈی پاکستان میں شروع ہوا۔ حکومت پاکستان نے اعلان کیا کہ وہ ریاست جموں اور کشمیر کے اس علاقے کی سرحد کی جس پر وہ غیر قانونی طور سے قابض ہے سنکیانگ کے ساتھ سرحدی حد بندی کے لیے اصولی طور پر متفق ہے۔ اس مرحلے پر ہم آسانی سے بات چیت کو ختم کر دے سکتے تھے مگر اس اشتعال انگیزی کے باوجود ہم نے یہ سلسلہ جاری رکھنے کا فیصلہ کیا۔ ہماری آپسی بات چیت جاری تھی کہ مسٹر بھٹو پیکنگ گئے اور اس معاہدے پر دستخط کر دئے۔ ہم نے پھر بھی صبر و تحمل سے کام لیا اور بات چیت جاری رکھی حالانکہ ہمیں سخت اشتعال دلایا گیا تھا۔ انجام کار یہ بات چیت پاکستان کے وزیر خارجہ مسٹر بھٹو نے ختم کر دی، حالانکہ اسے جاری رکھنے کے لیے ہم نے اپنی طرف سے کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہماری طرف سے بالکل کوئی سخت رویہ نہیں اپنایا گیا تھا۔ بلکہ اس کی ناکامی کی ساری ذمہ داری پاکستان پر ہے۔

پاکستان کا چین کی حمایت میں پروپگینڈہ

آئیے۔ اب ہم اس کا موازنہ پاکستان کے رویے سے کریں۔ جب چین نے ہم پر حملہ کیا اور کھلم کھلا جارحیت کا ارتکاب کیا تو پاکستان نے ہمارے خلاف اور چین کی حمایت میں زبردست پروپگینڈا کیا۔ پاکستان نے صرف یہی نہیں کیا کہ اس زبردست خطرے کے وقت دوست ملکوں کو ہر ممکن طریقے سے ہماری مدد کرنے سے باز رکھنے کی کوشش کی بلکہ اس نے یہ رویہ اپنایا کہ چین نہیں بلکہ ہندوستان جارحیت کا مرتکب ہے۔ غالباً گنتی کے چند ملکوں کو چھوڑ کر ساری دنیا نے دیکھا اور سمجھا کہ ہم جارحیت کا شکار ہوئے تھے۔

وزیر خارجہ نے اس کے تحفظ اور بین اقوامی مسائل کے لیے تشدد کے بجائے پُرامن گفت و شنید سے متعلق بڑے عمدہ اور اعلیٰ خیالات کا اظہار کیا ہے۔ ہم ان خیالات کی پوری تائید کرتے ہیں۔ ہم نے ہمیشہ ان خیالات کو اپنایا ہے۔ سلامتی کونسل کے سامنے بے گناہی کا لبادہ اوڑھ کر آنا اور اس بات پر زور دے کر دنیا کی رائے عامہ سے اپیل کرنا کہ پاکستان کا رویہ ہمیشہ معقول اور پُرامن رہا ہے اور اس نے کبھی ہمارے ملک کو کبھی کسی قسم کا کوئی اشتعال نہیں دلایا ہے۔

ایک بالکل دوسری بات ہے۔ جب ہم حقائق پر نظر ڈالتے ہیں تو بالکل دوسری تصویر نظر آتی ہے۔ وقتاً فوقتاً پاکستان کے ذمہ دار افراد نے تشدد کے لیے کھلم کھلا اکسایا ہے اور ہمیشہ یہ کہا ہے کہ اگر کشمیر کا مسئلہ پُرامن طریقے سے حل نہیں ہوا تو اسے متشددانہ طریقے سے حل کیا جائے گا۔ حتیٰ کہ وزیر خارجہ کے ۱۶ جنوری کے خط کا، جو کونسل کے زیر غور ہے، آخری حصہ قابل ذکر ہے جس میں کہا گیا ہے۔ ”آزاد کشمیر اور پاکستان کے عوام مایوس ہو کر دوسرے ذرائع اختیار کر سکتے ہیں“ تو دوسرے ذرائع کیا ہیں؟ پُرامن ذرائع کے مقابلے میں دوسرے ذرائع تشدد اور قتل و خون ہیں۔ ایک ایسی تنظیم کو پیش کی گئی سرکاری دستاویز میں جو بین اقوامی امن اور اچھے تعلقات کے قیام کی ذمہ دار ہے میں نے ایسی کھلم کھلا دھمکی نہیں دیکھی جس میں ایک ممبر ملک نے بعض حالات کے تحت تشدد استعمال کرنے کی دھمکی دی ہو۔ پھر کس طرح ہم پاکستان کے وزیر خارجہ کے یہاں دیئے گئے بیان کو قابل اعتماد سمجھ سکتے ہیں؟

پاکستان کی موقع پرستی

میں اس خط کا حوالہ دوں گا جو ۱۷ جون ۱۹۶۳ء کو ”آبزرور“ میں چھپا تھا۔ یہ خط مرحوم جان اسٹریچی، ممبر ایم پی نے ”آبزرور“ کے ایڈیٹر کے نام لکھا تھا۔ موصوف اُس پارلیمانی وفد میں شامل تھے جس نے ہندوستان اور پاکستان کا دورہ کیا تھا۔ وہ لکھتے ہیں:

”آپ اس کی شکایت کرتے ہیں کہ ہندوستان اب تک اپنی فوج کا ایک بڑا حصہ پاکستان کی سرحد پر تعینات کئے ہوئے ہے لیکن گزشتہ مہینے پاکستان جانے سے پہلے مجھے بھی ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہاں ہندوستانی فوجوں کی موجودگی کا کوئی جواز نہیں ہے۔ لیکن جس ہفتے ہمارے ساتھی پاکستان میں تھے، پاکستانی کابینہ کے ایک وزیر نے علی الاعلان یہ کہا کہ کشمیر کا سوال پُرامن طریقے سے یا کسی اور طریقے سے جلد سے جلد حل ہو جانا چاہیئے۔ پاکستان کے ایک دوسرے سرکاری آدمی نے جو کلیدی حیثیت رکھتے ہیں ہمیں یقین دلایا کہ اگر چین نے دوبارہ حملہ کیا تو وہ اور ان کے دوست اس موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دیں گے اور فوراً ہی ہندوستان پر حملہ کر دیں گے۔ اور پاکستان کے تقریباً ہر سرکاری آدمی نے جس سے ہماری ملاقات ہوئی یہ مان کر بات چیت شروع کی کہ ہندوستان نے چین پر حملہ کیا ہے۔“

آپ جانتے ہیں کہ مسٹر جان اسٹریچی پارلیمنٹ کے بڑے ہی باعزت ممبر تھے۔ ان کا حال ہی میں انتقال ہوا ہے۔ یہ چیز انہوں نے پاکستانی کابینہ کے ایک وزیر اور پاکستان کی عوامی زندگی میں اہمیت رکھنے والے لوگوں کے منہ سے سنا ہے۔ اس کی بنیاد پر یہ ان کی اپنی شہادت ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ پاکستان ہمیشہ ہمارے خلاف تشدد استعمال کرنے کا ارادہ رکھتا تھا اور اس کے لیے وہ موقع کی تاک میں تھا۔

اس ضمن میں کشمیر کے بارے میں پاکستان کے اصلی منشاء کا بھی ذکر کروں گا۔ جب کوئی شخص پاکستان کے وزیر خارجہ کی تقریر کا تجزیہ کرے گا اسے اس میں یہ جذبات پوشیدہ نظر آئیں گے کہ ہندوستان پاکستان کی مرضی اور منشاء کے مطابق کشمیر کا مسئلہ طے کرے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو فرقہ وارانہ فسادات ہوں گے، ہنگامے اور جھگڑے ہوں گے اور ممکن ہے قتل و خون بھی ہو۔ اس لیے پاکستان کونسل میں کوئی درخواست لے کر نہیں آیا ہے بلکہ دھمکی دینے آیا ہے اور ہم سے کہا جا رہا ہے کہ ہم اس دھمکی کے آگے سر جھکا دیں۔ یہ بڑی بدقسمتی کی بات ہے کہ پاکستان یہ محسوس نہیں کرتا کہ اس طرح وہ ہمارے ملک کے اور پاکستان کے کروڑوں آدمیوں کی زندگیوں کو بساطِ سیاست کا محض ایک مہرہ بنائے دے رہا ہے۔

غالباً اس وقت ہندوستان ہی ایک ایسا ملک ہے جو چینی جارحیت اور توسیع پسندی کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ اگر ہندوستان ناکام رہا تو چین کی آگے بڑھنے کی پالیسی کو روکنے والا کوئی نہ ہوگا۔ اس لیے یہ صرف ہندوستان کے مفاد میں نہیں ہے بلکہ امن کے مفاد میں بھی ہے کہ ہندوستان مضبوط اور طاقتور بنے۔ دوست ملکوں سے ہمیں جو مدد ملی ہے اس کے لیے ہم شکر گزار ہیں۔ لیکن اس مدد کا سارا مقصد ہی فوت ہو جائے گا اگر ہندوستان اندرونی طور پر کمزور ہو جائے۔ کوئی ملک بین اقوامی طور پر اس وقت تک مضبوط اور طاقتور نہیں بن سکتا جب تک کہ وہ اندرونی طور پر مضبوط نہ ہو۔ اور ہندوستان کی اندرونی طاقت کا انحصار اس کی سیکولرازم اور ملک کے اندر بسنے والے مختلف فرقوں کے پُرامن طور سے اور مل جل کر رہنے کی اہم ضرورت پر ہے۔

ضرورت ہوتی ہے تو وہ "ہیرو"، "فخرِ کشمیر" اور مسلمانوں کے پیشوا قرار دیے جاتے ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ یہ راگ پھر کب بدل جائے گا۔

۲۵ - نومبر ۱۹۵۷ء کو ہندوستان کے وزیر اعظم کے نام ایک ٹیلی گرام میں پاکستان کے وزیر اعظم نے یہ لکھا:

"مجھے اس بات کا سخت افسوس ہے کہ آپ اب تک شیخ عبداللہ کی حمایت کرتے ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ وہ غدار ہے اور کشمیر کے مسلمانوں میں انتشار پھیلانے کے لیے تنخواہ دار ایجنٹ ہے۔"

اس موقع پر وزیر اعظم ہند کو ایک غدار کی حمایت کرنے کے لیے موردِ الزام ٹھہرایا گیا ہے جس کی حمایت انھیں نہیں کرنی چاہیے تھی۔

میں شیخ عبداللہ کے مقدمے کے بارے میں بھی چند الفاظ کہوں گا۔ مجھے افسوس ہے کہ کچھ زیادہ نہ کہہ سکوں گا کیونکہ مقدمہ عدالت میں زیر سماعت ہے۔ ہمیں اس بات کا سخت افسوس ہے کہ مقدمے کو ختم ہونے میں بہت دیر لگی۔ لیکن یہ مقدمہ قانون کے مقرر کردہ ضابطوں کے مطابق ہو رہا ہے۔ جب یہ مقدمہ شروع ہوا تو لندن "ٹائمز" نے ایک خبر میں بتایا تھا کہ جج کتنا انصاف پسند تھا اور اس نے مدعی اور مدعا علیہ کے درمیان کس طرح انصاف کے ترازو کو متوازن رکھا۔ جیسا کہ وزیر خارجہ نے کہا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ گواہوں کی تعداد بہت زیادہ ہے لیکن سازش کے مقدمے میں یہ بات ناگزیر ہے۔ میں یہ بھی بتا دوں کہ تاخیر کچھ حد تک اس لیے بھی ہو رہی ہے کہ مدعا علیہ کی طرف سے گواہوں پر بہت لمبی جرح کی جا رہی ہے اور "وقتاً فوقتاً" خود شیخ عبداللہ کے مفاد کے پیشِ نظر مقدمے کی کارروائی ملتوی کرنا پڑتی ہے۔ اس مقدمے کا سب سے نمایاں پہلو یہ ہے کہ شیخ عبداللہ نے اپنی مرضی کا وکیل مقرر کیا ہے۔ لندن بار کے بڑے ممتاز وکیل مسٹر ڈنگل فوٹ۔ کیو۔ سی ہیں۔ یہ مقدمہ کھلے عام چل رہا ہے اور ملزم کو اپنے بچاؤ کے لیے ہر سہولت دی جا رہی ہے۔

پاکستان کے وزیر خارجہ کے بیان میں ایک اور ایسی بات ہے جس کا میں حوالہ دوں گا۔ وزیر خارجہ نے اس "آہنی دیوار" کا بھی ذکر کیا ہے جو کشمیر کو باہری دنیا سے الگ کرتی ہے۔ انھوں نے کہا ہے۔ "وہاں (کشمیر) جو کچھ ہو رہا ہے ہندوستان اس کو سنسرشپ کی سخت بندشوں کے ذریعے چھپانے کی بھرپور کوشش کر رہا ہے" (۱۰۴۸ ویں میٹنگ ص ۸۰) لیکن جس ایک چیز کے بارے میں ہم خاص طور سے فخر کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ کشمیر ہر ملک کے سیاحوں اور مبصروں کے لیے ہمیشہ کھلا رہا ہے۔ ہمیں کشمیر میں کچھ چھپانا نہیں ہے اور نہ ہم اپنے کسی کام پر شرمندہ ہیں جو ہم نے وہاں کیا ہے۔ ہر سال ۷۰ سے ۸۰ ہزار سیاح جن میں بڑی تعداد غیر ملکی سیاحوں کی ہوتی ہے اس خوب صورت جگہ کی سیر کے لیے آتے ہیں۔

حقِ خود ارادیت — سچ اور جھوٹ

پاکستان نے حقِ خود ارادیت کے خیال کو بہت اچھالا ہے۔ اس نے دنیا کی رائے عامہ کو یہ کہہ کر متاثر کرنے کی کوشش کی ہے کہ کشمیر کے معاملے میں کچھ کہنے سننے کا حق اُسے اس لیے پہونچتا ہے کہ ریاست کے لوگوں کو اپنے حقِ خود ارادیت کے استعمال سے محروم کر دیا گیا ہے۔ پہلے تو ہم حقِ خود ارادیت کا مفہوم متعین کر لیں۔ وہ "خود" کیا ہے جو اپنی قسمت کا فیصلہ کرنے یا اس کا فیصلہ کرنے کا حق رکھتا ہے کہ وہ ایک ملک کا حصہ بنے گا یا دوسرے ملک کا یا آزاد رہے گا؟ صاف ظاہر ہے کہ حقِ خود ارادیت کا جمہوری اصول ملک کے ایک مخصوص حصے پر لاگو نہیں ہو سکتا۔ یہ اصول اسی وقت عمل میں آئے گا جب مجموعی طور پر کسی پوری قوم سے واسطہ ہو اور جس صورت میں اس اصول کا اطلاق ہو سکتا ہے وہ صورت یہ ہو سکتی ہے کہ اس ملک کو فتح کیا گیا ہو یا اس پر کوئی غیر ملکی حکومت ہو یا یہ نوآبادیاتی استحصال کا شکار ہو۔ اگر اس اصول کو کسی ملک کے اٹوٹ انگ یا آبادی کے ایک حصے پر لاگو کیا گیا یا ایسے اٹوٹ انگ یا آبادی کے ایک حصے کو اس سے علیحدہ ہونے کا موقع دیا گیا تو اس کے بڑے خطرناک نتائج برآمد ہوں گے۔ خود ارادیت کے اصول کو کسی ملک یا اس کی آبادی کے ٹکڑے کرنے کے لیے کبھی نافذ نہیں کرنا چاہیے۔ ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ ریاست ہائے متحدہ (امریکہ) نے کسی چھوٹے سے علاقے کو نہیں بلکہ اپنے پورے جنوبی حصے کو اپنے سے الگ ہونے اور ایک خود مختار ملک بن جانے سے روکنے کے لیے بڑی خوں ریز خانہ جنگی کی۔ مجھے اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ ریاست ہائے متحدہ

کے اس حصے کے لوگوں کی ایک بڑی اکثریت ابراہم لنکن اور ان کی پالیسیوں کی مخالف تھی اور وہ غلاموں کی حالت بہتر بنانے سے انکار کی آزادی چاہتی تھی۔ تاہم ریاست ہائے متحدہ کی حکومت نے میری رائے میں بالکل صحیح اور مناسب طور پر اپنے ملک کے ایک حصے کو علیحدہ ہونے کا حق دینے سے انکار کرکے اپنے ملک کو ٹکڑے ٹکڑے ہونے سے بچا لیا۔ آج کی دنیا میں ایشیا اور افریقہ میں بے شمار ایسے ملک ہیں جہاں ایک غیر مطمئن مخالف اقلیت رہتی ہے۔ ان میں بہت سی اقلیتیں ممکن ہے اپنی حکومتیں قائم کرنا پسند کرتی ہوں۔ اس طرح ہمیں دنیا کے نقشے میں دوبارہ رنگ بھرنا پڑے گا اور اقوام متحدہ کے بہت سے ممبر ملک ٹکڑوں میں بٹ جائیں گے آج بہت سے ملکوں میں مختلف نسلوں، مذہبوں اور تہذیبوں کے لوگ رہتے ہیں اور دنیا کے مستقبل کا انحصار دنیا کے مختلف حصوں کی ایسی کثیر النسل ریاستوں اور قوموں کے ارتقاء پر ہے پاکستان کا نظریہ رجعت پرستانہ اور اصلاح و ترقی کے منافی ہے۔ ماضی قریب میں نو آبادیاتی استحصال پسند حق خود ارادیت کی باتیں کیا کرتے تھے تاکہ نو آزاد ملکوں میں انتشار پھیلا سکیں۔ اب پاکستان اس نظریے کی وکالت کر رہا ہے۔ پاکستان آگے کی بجائے پیچھے مڑنا چاہتا ہے اور اس زمانے میں واپس جانا چاہتا ہے جب کسی ملک میں صرف ایک مذہب کو آزادی حاصل ہوتی تھی اور دوسرے مذہب کے ماننے والوں کو ظلم و ستم کا نشانہ بننا پڑتا تھا۔ میں اس کونسل سے گزارش کروں گا کہ اسے ایسے خیالات اور دلیلوں کو نہ سننا چاہیئے جو امن اور ترقی کو تباہ کرنے والی ہیں اور جن کی وجہ سے بہت سی قومیں ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گی۔

پاکستان ہمیشہ اس بات کی تبلیغ کرتا ہے جس پر وہ خود کبھی عمل نہیں کرتا۔ وہ ہم سے کشمیر میں رائے شماری کرنے کو کہتا ہے، جب کہ وہ اپنے ملک میں انتخاب کرانے کی بات بھی نہیں سوچتا۔ وہ چاہتا ہے کہ ہم اپنے ملک کے ایک حصے کے بارے میں حق خود ارادیت کے اصول کو مان لیں جبکہ یہ خود اپنے آپ پر نظر نہیں ڈالتا۔ کیا پاکستان نے پٹھانوں کو حق خود ارادیت دینے کے بارے میں کبھی سوچا ہے جو پختونستان کے نام سے اپنی ایک الگ ریاست چاہتے ہیں؟

اقلیتوں کا اخراج، سچائی کیا ہے؟

پاکستان نے ہم پر ہندوستانی مسلمانوں کو ہندوستان سے نکالنے کا الزام لگایا ہے۔ مجھے اس کے بارے میں بھی کچھ کہنا ہے۔ میں اس الزام کی تردید دلیلوں سے نہیں کروں گا، اعداد و شمار پیش کروں گا جس کا کوئی جواب نہیں بن پڑ سکتا۔ ۱۹۶۱ء میں ہندوستان میں جو مردم شماری ہوئی اس سے ظاہر ہوا کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی آبادی میں ۱۹۵۱ء اور ۱۹۶۱ء کے درمیان ۲۵٫۶ فی صدی کا اضافہ ہوا جبکہ ہندوستان کی مجموعی آبادی کے اضافے کی شرح ۲۱٫۵ فی صدی تھی۔ کیا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی نسل کشی کی جا رہی ہے یا انھیں ملک سے باہر نکالا جا رہا ہے۔ صرف یہی نہیں ہے کہ کوئی مسلمان ہندوستان چھوڑ کر جا نہیں رہا ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ پاکستانی مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد ہندوستان کی ریاستوں مغربی بنگال، آسام اور تری پورہ میں ناجائز طور سے گھس آئی ہے۔ پاکستان کی مردم شماری کے اعداد و شمار سے یہ بات پوری طرح ثابت ہوتی ہے۔ پاکستان کی مردم شماری کے اعداد کے مطابق مشرقی پاکستان کی مسلم آبادی ۱۹۵۱ء اور ۱۹۶۱ء کے درمیان ۲۶ فی صدی کے حساب سے بڑھی ہے لیکن مشرقی پاکستان کے بعض ضلعوں میں جو ہندوستان سے ملتے ہیں، آبادی کا یہ اضافہ اس سے کہیں کم ہوا ہے۔ یہ بڑی اہم بات ہے۔ آبادی کے اضافے کی شرح نواکھالی میں ۴٫۷ فی صدی، کومیلا میں ۱۵٫۴ فی صدی، باقر گنج میں ۱۷٫۸ فی صدی اور سلہٹ میں صرف ۱۳٫۹ فی صدی رہی جبکہ پورے صوبے کی شرح ۲۶ فی صدی ہے۔ ہندوستان کی ریاستوں کے وہ اضلاع جو پاکستانی سرحد سے ملے ہوئے ہیں، ان سے پوری طرح واضح ہو جاتا ہے کہ متعلقہ پاکستانی اضلاع میں آبادی کی شرح اتنی کم کیوں رہی۔ مسلمانوں کی آبادی تری پورہ میں ۴۰ فی صدی، دارجلنگ میں ۲۰٫۰ فی صدی، دیناج پور میں ۴٫۰ فی صدی، مالدہ میں ۲۲ فی صدی، گوالپاڑہ میں ۴۹ فی صدی اور کچھار اور پورنیہ ضلعوں میں ۳۰ فی صدی بڑھی۔ یہ اعداد ہی خود سب کچھ کہہ دیتے ہیں خصوصاً جب کہ یہ یاد رکھا جائے کہ ہندوستان میں مسلم آبادی مجموعی طور سے ۲۵٫۶ فی صدی بڑھی ہے۔ اس طرح یہ صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ مسلم آبادی میں اتنا بڑا

اضافہ صرف اسی وجہ سے ہوا ہے کہ بہت بڑے پیمانے پر مشرقی پاکستان کے لوگ خصوصاً ان اضلاع سے جن کی آبادی میں غیر معمولی طور پر کم اضافہ ہوا ہے، ہندوستانی علاقے میں گھس آئے ہیں۔

اب ہمیں تصویر کا دوسرا رخ دیکھنا چاہیئے۔ تقسیم ملک اور اس کے نتیجے میں ہونے والے قتل وخون اور وسیع پیمانے پر ترک وطن کی وجہ سے پاکستان نے اپنے مغربی حصے سے تقریباً تمام غیر مسلموں کو نکال دیا۔ پاکستان کی ۱۹۵۱ء کی مردم شماری کے مطابق مشرقی حصے میں ۹.۲۴ ملین غیر مسلم تھے۔ ان کی تعداد موٹے طور پر مشرقی پاکستان کی کل آبادی ۴۱.۹۳ ملین کی ۲۲.۰۳ فی صدی تھی۔ ۱۹۶۱ء کی مردم شماری کے مطابق مشرقی پاکستان کی کل آبادی ۵۰.۸۴ ملین تھی۔ اس میں غیر مسلموں کی تعداد ۹.۳۸ ملین تھی۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ آبادی کا ۱۸.۴۵ فی صدی ہیں۔ یہ بات غور کرنے کی ہے کہ دس برسوں کے اندر تقریباً ۳.۶ فی صدی کی کمی آئی۔ اس سے زیادہ قابلِ ذکر بات تو یہ ہے کہ مشرقی پاکستان میں ہندو اقلیت کی تعداد کم و بیش وہی رہی جو ۱۹۵۱ء میں تھی۔ وہاں کے مسلمانوں کی آبادی میں ۲۶ فی صدی کا اضافہ ہوا۔ اگر غیر مسلموں کی آبادی میں اسی شرح سے اضافہ ہوا ہوتا تو ان کی تعداد میں ۲.۴۵ ملین سے بھی زیادہ اضافہ ہوتا۔ وہاں یہ قدرتی اضافہ کیوں نہیں ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس مدت کے اندر متعدد لوگوں کو نکال باہر کیا گیا۔ یہ ہمارے اس ریکارڈ کے بھی مطابق ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پناہ گزینوں کی لگ بھگ اتنی ہی تعداد ہندوستان آئی۔ اگر پاکستان کے وزیر خارجہ کے پاس کوئی اور جواب ہے تو بتائیں اور وہ یہ بھی سوچیں کہ کون اقلیتوں کے اخراج کا مجرم ہے۔

میں یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ قانونی قاعدوں اور ضابطوں کو پورا کئے بغیر ہندوستان سے کوئی بھی شخص نہیں نکالا گیا ہے۔ پہلے تو کافی احتیاط سے اس کی چھان بین کی جاتی ہے کہ متعلقہ شخص کی شہریت کیا ہے۔ جب اس چھان بین سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ہندوستانی شہری نہیں ہے یا اس کے پاس رہائش کے لیے ضروری پرمٹ یا ویزا نہیں ہے تو اسے چلے جانے کا نوٹس دیا جاتا ہے۔ اخراج کا نوٹس ملنے کے بعد اسے ہائی کورٹ سے دادرسی کی درخواست کرنے کا حق حاصل ہے اور وہ ہائی کورٹ کو مطمئن کر سکتا ہے کہ ایڈمنسٹریٹو ٹریبونل کا فیصلہ غلط ہے۔ حال میں آسام اور تری پورہ میں اخراج کا نوٹس دینے سے پہلے کی چھان بین کے لیے بھی جوڈیشل افسر مقرر کیے گئے ہیں۔

میں ایک اور معمولی سی بات کا ذکر کروں گا جو یہ ہے کہ ریاست جموں اور کشمیر کی جو کابینہ حال میں بنائی گئی ہے اس میں غیر مسلم زیادہ تعداد میں مقرر کئے گئے ہیں۔ پارلیمانی طریقہ کار کے تحت وزیر اعظم جموں اور کشمیر کو اس بات کا پورا حق ہے کہ وہ جس طرح چاہیں اپنی کابینہ بنائیں۔ ہندوستان میں ہم فرقہ وارانہ لحاظ سے تقرر نہیں کرتے۔ یہ صحیح ہے کہ ہم اس بات کی کوشش ضرور کرتے ہیں کہ جس حد تک ممکن ہو ہندوستان کا کوئی حصہ اور کوئی بڑا فرقہ حکومت میں نمائندگی پانے سے رہ نہ جائے۔ یہ ایک وفاقی اصول ہے جس سے تمام وفاقی حکومتیں واقف ہیں۔ کشمیر کے لیے یہ ایک قابلِ تعریف بات ہے کہ اس کی کابینہ اس فرقہ وارانہ اتحاد کی مظہر ہے جو ریاست جموں اور کشمیر میں موجود ہے۔

پاکستان کے وزیر خارجہ نے وزیر اعظم شمس الدین کا ریاست کے افسروں کو برطرف کرنے کا بھی ذکر کیا ہے۔ ان افسروں کی برطرفی کے پیچھے وہ جذبہ کارفرما نہیں تھا جس کا پاکستان کے وزیر خارجہ نے ذکر کیا ہے بلکہ یہ انسداد بدعنوانی اور نا اہلیت کی مہم کا ایک حصہ تھا۔ تمام افسروں کو برطرف نہیں کیا گیا ہے ان میں سے بہتوں کو ریٹائر کر دیا گیا ہے۔ ان میں سے ۴۰ افسران ہندو وارڈ رکھے ہیں۔ لہٰذا جو فرقہ وارانہ رنگ دینے کی کوشش کی گئی ہے وہ بالکل بے بنیاد ہے۔

اپنی تقریر ختم کرنے سے پہلے میں بعض اور باتوں کا بھی ذکر کروں گا جس کا حوالہ کونسل کے نام پاکستان کے وزیر خارجہ کے ۱۶ جنوری ۱۹۶۴ء کے خط (ایس-۵۵۱۶) اور بعد کو کی گئی ان کی تقریر میں ہے۔ وزیر خارجہ نے شکایت کی ہے کہ ہندوستان کے وزیر داخلہ مسٹر نندا نے انڈین نیشنل کانگریس کے بھوبنیشور میں ہونے والے اجلاس کے موقع پر جو تقریر کی ہے وہ اشتعال انگیز ہے۔ مسٹر نندا نے ہندی میں تقریر کی تھی اور اس کا پورا متن یہاں ہمارے پاس موجود ہے۔ مجھے اس تقریر میں ایسی کوئی بات نظر نہیں آئی جو اشارتاً بھی فرقہ وارانہ جذبات کو بھڑکانے والی ہو۔ اس کے برعکس انھوں نے کہا ہے:

"اگر وہاں (یعنی پاکستان میں) کچھ ہوتا ہے تو ہم یہاں (یعنی ہندوستان میں) کچھ ہونے

کی اجازت نہ دیں گے۔ اور اگر کوئی فتنہ اٹھ کھڑا ہوگا تو بڑے سخت اقدامات کئے جائیں گے اور فوراً ہی حالات کو معمول پر لے آیا جائے گا۔"

ایسا لگتا ہے کہ پاکستان کے وزیر خارجہ نے مسٹر نندہ کی تقریر کے کسی غلط انگریزی ترجمے پر بھروسہ کیا ہے۔ مسٹر نندہ نے کلکتہ کے فسادات پر قابو پانے کے لیے بڑا اچھا کام کیا ہے۔ انھوں نے ہندوؤں اور مسلمانوں کی مشترکہ امن کمیٹیاں اور جتھے قائم کرائے۔ غنڈوں کے خلاف سخت کارروائی کی جس میں حسب ضرورت فوج کا گولی چلانا بھی شامل تھا۔ اس کی وجہ سے فساد پر قابو پا لیا گیا اور دو تین دنوں کے اندر حالات معمول پر آگئے۔ جبکہ یہ یاد رکھیے کہ کلکتہ کی آبادی ۶۰ لاکھ ہے۔

یہ بات بھی کسی طرح ماننے کی نہیں ہے کہ انڈین نیشنل کانگریس کے پلیٹ فارم پر جو ہمیشہ فرقہ وارانہ اتحاد کی حامی رہی ہے مسٹر نندہ چہ جائیکہ حکومت ہند کے وزیر داخلہ اشتعال انگیز تقریریں کریں گے۔

۱۶ جنوری ۱۹۶۴ء کا صدر کا خط

اپنے بیان کے دوران میں پاکستان کے وزیر خارجہ نے کہا ہے کہ ہندوستان کے صدر نے پاکستان کے صدر کو جو جواب دیا ہے وہ دوستانہ نہیں تھا لیکن ہمارے صدر نے ۱۶۔جنوری کے خط کے آخری پیراگراف میں جن جذبات کا اظہار کیا ہے اس سے زیادہ پُرخلوص اور دوستانہ جذبات اور کیا ہو سکتے ہیں۔ یہ خط سلامتی کونسل کے ممبروں کو بھیجا گیا ہے (ایس۔۵۵۲۲)

۲۶۔جنوری ۱۹۶۴ء کو یوم جمہوریہ کے موقع پر ہمارے صدر نے جو بیان دیا ہے اس کا حوالہ بھی دوں گا۔ یہ بیان بھی ایسے ہی جذبات سے بھرپور ہے۔ میں اس خط سے اقتباس پیش کرتا ہوں۔

" ہماری جمہوریت میں تمام عقیدوں کے لوگوں کو قانون کی حکومت کے تحت باعزت طور سے اور مل جل کر رہنے کا حق حاصل ہے۔ ہر شہری کی زندگی اور آزادی ایک دوسرے کے لیے قابل احترام ہونا چاہیے، خواہ اس کی ذات یا عقیدہ کچھ بھی ہو۔ اس سے انحراف نہ صرف اخلاقی طور پر ناقابل حمایت ہے بلکہ سیاسی طور سے خطرناک ہے۔ اس سے

اس وقت ہمارے ملک کا اندرونی اتحاد مجروح ہوتا ہے جبکہ ہمارے ملک کو جو باہری خطرہ لاحق ہے اس میں کمی نہیں ہوئی ہے۔ حکومت غیر سماجی حرکات کو روکنے کے لیے قدم اٹھا سکتی ہے اور اٹھائے گی۔ لیکن امن وامان کی فضا قائم رکھنی ہے تو عوام کا تعاون اشتراک بھی کم اہم نہیں ہے کیونکہ یہ امن وہ بنیاد ہے جس پر ہم اپنے مستقبل کی تعمیر کر سکتے ہیں۔"

اس کے برعکس صدر پاکستان کے خط میں ہندوستان کے خلاف بڑے سنگین الزامات لگائے گئے تھے۔ ہمارے صدر کے جواب میں ان غلط باتوں کی طرف اشارہ کرنا ضروری تھا تاکہ حالات صحیح پس منظر میں دیکھے جا سکیں۔ بہرحال یہ بالکل صاف ہے کہ ہمارے صدر کے پیغام میں خلوص اور تعمیری رویہ کار فرما ہے تاکہ دونوں ملکوں میں فرقہ وارانہ ہم آہنگی قائم کرنے کے اہم مسئلے کو حل کرنے کی کوشش کی جا سکے۔

نوآبادیاتی نظام کو ختم کرنے کی جدوجہد میں ہندوستان کی پہل

پاکستانی وزیر خارجہ نے کشمیر میں ہندوستان کی موجودگی کو نوآبادیاتی تسلط کا مترادف قرار دیا ہے۔ مجھے اس بات کا سخت رنج ہے کہ انھوں نے میرے ملک کے خلاف اتنا شدید الزام لگانا مناسب سمجھا۔ یا تو وہ ہندوستان کی گزشتہ پچاس برسوں کی تاریخ سے بالکل بے خبر ہیں یا جان بوجھ کر انجان بن گئے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ وہ یہ بھول گئے کہ تاریخ میں اپنے وقت کی سب سے زیادہ عظیم اور زبردست سلطنت کے نوآبادیاتی تسلط کے خلاف ہندوستان نے مہاتما گاندھی کی قیادت میں لمبی اور زبردست جدوجہد کی تھی اور اسی کے نتیجے میں ہندوستان اور خود ان کا ملک آزاد ہوا تھا۔ وہ اس سے بے خبر نہیں ہو سکتے کہ ہندوستان کی تحریک نے ایشیا اور افریقہ میں نوآبادیاتی استحصال کے خلاف آزادی کی تحریکوں پر زبردست اثر ڈالا تھا اور تمام دنیا میں آزادی کی تحریکوں نے اس سے فیضان حاصل کیا تھا اور اب بھی کرتی ہیں۔ یہ جان کر ہمیں اطمینان ہے کہ افریقہ اور ایشیا کے نو آزاد ملک اس کا اعتراف کرتے ہیں مگر مسٹر بھٹو نے ہندوستان کی اس مسلسل جدوجہد کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے جو اس نے اپنے سولہ سالہ آزاد وجود اور اقوام متحدہ کو قائم کرنے والے ممبر کی حیثیت سے ایشیا اور افریقہ میں آزادی کی تحریکوں کی حمایت میں اقوام متحدہ میں کی ہے۔ ایسے ملک پر نوآبادیاتی استحصال کی تہمت

لگا تعصب کی انتہا ہے۔

ہندوستان کے موجودہ رہنماؤں کو اور خاص طور سے پنڈت جواہر لال نہرو کو جن کی زندگی کا بیشتر حصہ نہ صرف اپنے ملک کے لیے بلکہ ایشیا اور افریقہ کے لیے آزادی کی لڑائی لڑنے میں گزرا ہے کنایۃً نو آبادیاتی استحصال کی پالیسی پر عمل پیرا کہنا ایک ایسی بات ہے جو پاکستان ہی کہہ سکتا ہے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ تاریخ کی ابتدا سے کشمیر ہندوستان کا ایک حصہ اور ہندوستانی تہذیب اور وراثت کا گہوارہ رہا ہے۔ اس نے ہندوستان کی تاریخ کے نشیب و فراز میں پورا حصہ لیا ہے۔ یہ اشوک اور اکبر کی سلطنتوں کا ایک حصہ رہا ہے۔ کشمیر کی راجدھانی سری نگر کی بنیاد شہنشاہ اشوک نے تیسری صدی قبل مسیح میں ڈالی تھی۔ کشمیر کے لوگ ہمارے ہی خون اور گوشت و پوست کا ایک حصہ ہیں، اور جموں اور کشمیر ہندوستان کی سولہ ریاستوں میں سے ایک ہے اور کشمیری عوام ہندوستانی شہری کی حیثیت سے اس بھرپور آزادی میں شریک ہیں جو ہندوستان کو حاصل ہے۔

کشمیر کو ہندوستان کی نوآبادیاتی تسلط کے تحت بتانا زبردست قسم کی افترا پردازی ہے اور کشمیری عوام کی توہین ہے، جو ہندوستانی ہیں اور زمانۂ قدیم سے ہندوستانی رہے ہیں۔ ضرورت یہ ہے کہ پاکستان خود اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھے اور اپنے دل کو ٹٹولے اور اپنے آپ سے سوال کرے کہ کس طرح وہ کشمیر کے بڑے حصے پر قابض ہے۔ یہی قبضہ دراصل نوآبادیاتی قبضہ ہے۔

کشمیر ہی صرف ایک مسئلہ نہیں ہے

یہ بات اکثر کہی جاتی ہے اور میرا خیال ہے کہ پاکستان کے وزیر خارجہ نے اسے دہرایا بھی ہے کہ ہندوستان اور پاکستان کے درمیان صرف کشمیر ہی ایک وجۂ نزاع ہے۔ اور اگر یہ مسئلہ پاکستان کی مرضی کے مطابق طے ہو جائے تو ہمارے دونوں ملکوں کے درمیان دوستی اور پورا تعاون عملی ہو جائے گا۔ لیکن میں اس سے اختلاف کرتا ہوں۔ جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں اس بنیادی فلسفے کو سمجھنا مشکل ہے جس پر پاکستان کی پالیسی کی بنیاد ہے۔ اس کی خارجہ پالیسی کا ہر پہلو ہندوستان کے خلاف رہا ہے۔ ایک وقت میں پاکستان کے ذمہ دار لیڈروں نے یہیں کہا کہ ہماری کشمیر سے متعلق پالیسی سے مجبور ہو کر انھوں نے چین سے دوستی کی ہے۔ چونکہ چین نے پاکستان اور چین کی دوستی کی اس بنیاد کو پسند نہیں کیا تو انھوں نے اپنا راگ بدل دیا اور کہا کہ اگر کشمیر کا مسئلہ حل ہو بھی جائے تو بھی پاکستان چین کی حمایت کرتا رہے گا۔ دوسرے الفاظ میں ہندوستان کی طرف پاکستان کا موجودہ مخالفانہ رویہ صرف کشمیر کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اس کی جڑیں اور گہری ہیں۔

فرقہ وارانہ فسادات کے متعلق بھی پاکستان کا یہی رویہ ہے۔ یہ دلیل دی جاتی ہے کہ اگر کشمیر کا مسئلہ حل ہو گیا تو معجزہ ظہور میں آ جائے گا اور فسادات خود بخود رک جائیں گے۔ کشمیر اور فسادات میں کیا تعلق ہے؟ پاکستان کی فرقہ وارانہ پالیسیوں اور فرقہ وارانہ جذبات کو بھڑکانے جس کا وہ مجرم ہے، کی وجہ سے فسادات ہوتے ہیں۔ اس بات کا کافی اور واضح ثبوت میں اوپر دے چکا ہوں۔

میری خواہش تھی کہ میں سلامتی کونسل کا اتنا وقت نہ لیتا اور پاکستان کے وزیر خارجہ نے ہمارے خلاف جو الزامات لگائے ہیں ان کی تردید کرنے کی ضرورت نہ پیش آتی۔ سلامتی کونسل میں ایک دوسرے پر الزام اور جوابی الزام اور عیب جوئی کا کوئی فائدہ نہیں۔ اگر اس کا کوئی فائدہ ہوتا تو ہم اتنے برسوں کے بعد بھی یہاں بیٹھے نہ ہوتے۔ پاکستان نے ہمارے خلاف جو بے بنیاد اور سنگین الزامات لگائے ہیں ان کی تردید کرنا اور صحیح باتوں کو سامنے لانا میرا فرض تھا۔ جناب صدر میں آپ کو اور سلامتی کونسل کو یقین دلاتا ہوں کہ اشتعال انگیزی کے باوجود ہم پاکستان سے اپنے تعلقات بہتر بنانے کی کوشش جاری رکھیں گے جو بدقسمتی سے اس وقت اچھے نہیں ہیں۔ ہم نہیں چاہتے کہ ہمارے تعلقات کی بنیاد الزام اور جوابی الزام بنے، بلکہ دوستی، اشتراک اور باہمی وقار ہو۔ اور اس موقع پر میں بالکل صاف اور واضح طور سے اپنی حکومت اور ہندوستانی عوام کی طرف سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہم پاکستان کی ایک آزاد اور خود مختار ملک کی حیثیت سے بھلائی اور خوش حالی چاہتے ہیں اور اپنے تعلقات برابری، سالمیت اور اقتدار اعلیٰ کی بنیاد پر استوار کرنا چاہتے ہیں جیسا کہ دو دوست اور دو پڑوسی ملکوں کے درمیان ہوتا ہے۔

آپ مجھ سے پوچھ سکتے ہیں کہ موجودہ ناخوشگوار صورت حال کو بدلنے اور ہندوستان اور پاکستان کے درمیان تعلقات کو بہتر بنانے کے لیے کون سے اقدامات کرنے چاہئیں۔ میرے دل میں ذرا سا بھی شک و شبہ نہیں ہے کہ دونوں ملکوں کے عوام دوستی چاہتے ہیں۔ سولہ سال پہلے وہ ایک ہی ملک کے رہنے والے تھے۔ ان کا ایک ہی ماضی رہا ہے اور وہ ایک ہی روایات اور آج بھی ہند و پاکستان کے لوگوں کا ایک دوسرے سے تعلق ہے اور آپس میں رشتہ داریاں ہیں۔ اگر پاکستان کی حکومت مناسب جذبے کا اظہار کرے اور اپنے موجودہ رویے سے باز آ جائے تو میری حکومت دو قدم آگے بڑھ کر اس کا خیر مقدم کرے گی۔ بڑے احترام کے ساتھ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ریزولیوشن پاس کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اس سے صورت حال کے اور بدتر ہو جانے کا امکان ہے۔ کوئی بھی ریزولیوشن خواہ وہ کتنے ہی اچھے طریقے سے تیار کیا گیا ہو، دونوں فریقوں کو مطمئن نہیں کر سکتا۔ ضرورت عمل کی اور یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ جو کام پہلے کرنے کا ہے اُسے پہلے کیا جائے۔

پاکستان تشدد کی دھمکیاں دینا بند کر دے

اس لئے پہلا کام یہ ہے کہ ہندوستان اور پاکستان کے جن علاقوں میں گڑبڑ پھیلی ہوئی ہے وہاں حالات معمول پر لائے جائیں اور دونوں ملکوں میں فرقہ وارانہ اتحاد اور ہم آہنگی پیدا کی جائے۔ اس کے لیے ہم پاکستان کے ساتھ مل کر ہر قدم اٹھانے کو تیار ہیں۔ میری حکومت اس سلسلے میں امکانات کا جائزہ لینے کے لیے دونوں ملکوں کے وزراء کی ملاقات کو خوش آمدید کہے گی۔ ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے کہ جو شرمناک واقعات ابھی حال میں ہوئے وہ پھر کبھی نہ ہوں۔ یہ کسی بھی مہذب حکومت کے لیے رسوائی کا باعث ہیں۔ دوسرے یہ کہ پاکستان کی طرف سے وقتاً فوقتاً تشدد کی جو دھمکی دی جاتی ہے جیسا کہ میں بتا چکا ہوں اسے ختم ہونا چاہیئے۔ پاکستان کو ہندوستان کے ساتھ بالکل واضح الفاظ میں اعلان کر دینا چاہیئے کہ دونوں ملک کبھی جنگ نہیں کریں گے اور اپنے تمام اختلافات پر امن طریقے سے حل کریں گے۔ اس سلسلے میں ہم جنیوا میں خود چیف کی اپیل پر لبیک کہتے ہیں جو انہوں نے حال ہی میں کی ہے اور جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ ہمارے وزیراعظم نے علاقائی جھگڑوں کو پر امن طریقے سے حل کرنے کی اس اپیل کا پرجوش سواگت کیا ہے۔ صدر جانسن نے بھی اصولی طور سے طاقت کے استعمال سے اجتناب کو پسند کیا ہے۔ جب ایک بار مناسب ماحول پیدا ہو جائے تو پاکستان کے ساتھ تمام متنازعہ فیہ معاملات پر بات چیت کرنا ممکن ہو جائے گا۔ ہم اس کے لیے تیار ہیں۔ ہم بات چیت میں یقین رکھتے ہیں اور ہمیں یقین ہے کہ ایسی بات چیت کے ذریعے ہم اپنے اختلافات دور کر سکتے ہیں اور ہم پاکستان کو خوش آمدید کہیں گے کہ وہ آئے اور ہمارے ساتھ بیٹھ کر آپس کے اختلافات کا حل ڈھونڈھے۔ میں پاکستان سے گزارش کرتا ہوں کہ وہ یہ یاد رکھے کہ ہم اس بات کی شدید خواہش رکھتے ہیں کہ برصغیر ہند پر مشتمل ہمارے دونوں ملکوں میں دوستانہ اور پر خلوص تعلقات قائم ہوں کیونکہ دونوں ملکوں کی آئندہ خوش حالی اور بھلائی کا انحصار اسی پر ہے۔

۲

۱۰-فروری ۱۹۶۴ء کو شری ایم-سی چاگلا کی تقریر

میں نے پاکستان کے وزیر خارجہ کی تقریر سنی اور مجھے غصے سے زیادہ دُکھ ہوا۔ آدمی اپنے غصے پر قابو پا سکتا ہے لیکن غم پر قابو پانا مشکل ہوتا ہے۔ مجھے غم اس وجہ سے ہوا ہے کہ پاکستان کے نمائندے نے ایسے جذبات کا اظہار کیا جو میری حکومت اور میرے ملک کو بدنام کرتے ہیں اور آزادی کے بعد سے اب تک اس نے امن اور ترقی کا جو ریکارڈ قائم کیا ہے اس کے خلاف ایک تہمت ہیں۔ اور یہ الزام اس پڑوسی ملک نے ہمارے خلاف لگایا ہے جس کے ساتھ ہماری خواہش امن و چین سے مل کر رہنے کی ہے اور جو چند سال قبل تک برصغیر ہند کا ہی ایک حصہ رہا تھا۔ میں پاکستان کے وزیر خارجہ کی پیروی نہیں کرنا چاہتا اور ایک لمبی تقریر کر کے سلامتی کونسل کے ممبروں کے صبر کا امتحان نہیں لینا چاہتا۔ ان کا کافی امتحان لیا جا چکا ہے اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ جو کچھ میں نے اپنے پہلے بیان میں کہا ہے اس کو دہرانا تضیع اوقات ہوگا۔ میری تقریر ریکارڈ میں موجود ہے اور تمام پہلوؤں پر حاوی ہے۔ اس سے ہماری حکومت کے رویے اور پوزیشن کی پوری طرح وضاحت ہو جاتی ہے اور جو کچھ میں نے کہا ہے اس پر لفظ بہ لفظ قائم ہوں۔

پاکستانی نمائندے نے یہ محسوس کر لیا ہے کہ وہ صرف اسی صورت میں سلامتی کونسل میں اپنے مقدمے کو حق بجانب کہہ سکتے ہیں جب کہ وہ یہ دکھائیں کہ کشمیر میں ہنگامہ و فساد برپا ہے یا خود اپنے الفاظ کو صحیح ثابت کریں جو انھوں نے اپنی ابتدائی تقریر میں کہے تھے "کشمیر نے ہندوستان کے خلاف کھلم کھلا بغاوت کر رکھی ہے۔" اگر حالات یہ بتائیں کہ کشمیر میں فرقہ وارانہ فسادات بالکل نہیں ہوئے بلکہ اس کے برعکس وہاں مکمل طور سے فرقہ وارانہ اتحاد ہے اور کہ کشمیر میں بغاوت تو دور کی بات رہی، موئے مقدس کی چوری کے افسوسناک واقعہ کے ہر مرحلے پر وہ ہندوستان سے مدد اور حمایت کا طالب ہوا۔ تب تو یہ بالکل واضح ہو جائے گا کہ کشمیر کی صورت حال میں کوئی تبدیلی نہیں آئی ہے جو ان کے مطابق سلامتی کونسل کو دی گئی موجودہ درخواست کو حق بجانب ثابت کرے گی۔ اگر کشمیر میں فساد اور ہنگامہ بھی ہو تو بھی پاکستان کی مداخلت کی وجہ جواز نہیں پیدا ہو سکتی کیونکہ ہم نے بار بار کہہ دیا ہے کہ کشمیر میں جو کچھ ہوتا ہے وہ بالکل ہندوستان کا گھریلو معاملہ ہے۔

پاکستان کے وزیر خارجہ نے صدر ایوب کا حوالہ دیا ہے جنھوں نے کہا ہے کہ حال میں کشمیر میں خود بخود اور اپنے طور پر رائے شماری ہو گئی۔ انھوں نے کتنی صحیح بات کہی ہے۔ اس رائے شماری کا نتیجہ کیا نکلا؟ کشمیریوں نے بالکل صاف اور واضح طور پر یہ فیصلہ دیا کہ وہ مقامی حکومت کے تو خلاف ہیں لیکن انھیں حکومت ہند کی ایمان داری اور انصاف پسندی میں پورا پورا اعتماد ہے۔ میں نے اپنے پہلے بیان میں پاکستانی مدبروں کے بیانوں کے حوالے دئے ہیں کہ کس طرح ان لوگوں نے کشمیریوں کو اکسایا اور فرقہ وارانہ جذبات کو بھڑکایا ہے۔ میں پہلے کہہ چکا ہوں اور پھر دہراتا ہوں کہ پاکستان کو توقع تھی کہ موئے مقدس کی چوری کے بعد کشمیر میں قتل و خون ہوگا اور مسلمان ہندوؤں اور سکھوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے۔ حتیٰ کہ پاکستان کے وزیر خارجہ نے یہاں بھی کہا ہے کہ اس لمحے بھی سری نگر میں خون بہہ رہا ہے۔ کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ یہ بیان امر واقعہ ہے یا خواہش اور امید کا اظہار۔ میں سلامتی کونسل کے ممبروں کو صاف صاف بتا دینا چاہتا ہوں کہ آج کشمیر میں کسی قسم کی کوئی گڑبڑ یا ہنگامہ نہیں ہے۔ موئے مقدس مل گیا ہے اور اس سے زیادہ یہ بات ہوئی کہ اس کی شناخت کرائی گئی ہے۔ شناخت کرنے والوں میں کشمیر کے باعزت مذہبی رہنما تھے جن میں مولانا مسعودی بھی شامل تھے جو حکومت کے حامی نہیں ہیں بلکہ حزب مخالف میں ہیں۔

مسئلہ کشمیر کے پیچھے پاکستان کا مقصد

ہمیں بتایا گیا ہے کہ مسئلہ کشمیر بڑا اہم مسئلہ ہے۔ کس کے لیے اہم ہے؟ کشمیریوں کے لیے یا پاکستان کے لیے۔ کئی موقعوں پر صدر ایوب کے دل کی بات زبان پر آ گئی ہے اور انھوں نے کہا ہے کہ پاکستان کی معیشت اور دفاع کے لیے کشمیر بے حد اہم ہے۔ میں جناب صدر صاحب پیش

کرتا ہوں:

"کشمیر صرف سیاسی طور پر نہیں بلکہ فوجی لحاظ سے بھی پاکستان کے لیے بے حد اہم ہے۔ کشمیر زندگی اور موت کا سوال ہے۔"

یہ بات صدر ایوب خاں نے دسمبر ۱۹۵۹ء میں کہی تھی۔

انھوں نے پھر کہا:

"آپ پوچھ سکتے ہیں کہ ہم کشمیر سے باز کیوں نہیں آجاتے۔ ہم اس تنازعے سے اس لیے دست کش نہیں ہوتے کہ ہم خون خرابے کو پسند کرتے ہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ کشمیر کا تعلق ہماری سلامتی سے ہے۔ پاکستان کی ۳ کروڑ ۲۰ لاکھ ایکڑ اراضی ان دریاؤں سے سیراب ہوتی ہے جو کشمیر سے نکلتے ہیں۔"

یہ حوالہ صدر ایوب خاں کی اس تقریر سے دیا گیا ہے جو ۱۳ جولائی کو واشنگٹن میں نیشنل پریس کلب کی طرف سے دی گئی دعوت کے موقع پر کی تھی اور جو ۱۴ جولائی ۱۹۶۱ کے پاکستان ٹائمز میں چھپی تھی۔

میں ان کی تقریر سے پھر حوالہ دیتا ہوں:

"کشمیر ہماری علاقائی سلامتی کے ساتھ ساتھ اقتصادی سلامتی کے لیے بڑا اہم ہے۔"

صدر ایوب خاں نے یہ جملہ ۱۹ جولائی کو کراچی میں کہا تھا جو ۲۰ جولائی ۱۹۶۱ء کے پاکستان ٹائمز میں شائع ہوا۔

ایک اقتباس اور:

"صدر پاکستان نے اعلان کیا کہ کشمیر پاکستان کے لیے زندگی اور موت کا سوال ہے۔ اور اس مسئلے کو حل کیے بغیر ہمیں اپنے علاقے خصوصاً مغربی حصے کی حفاظت کا یقین نہیں ہو سکتا....."

صدر ایوب خاں نے یہ بیان ڈھاکہ میں ۱۸ اکتوبر کو دیا جو ۱۹ اکتوبر ۱۹۶۱ء کے پاکستان ٹائمز میں چھپا۔

اس طرح یہ حقیقت سے باہر آگئی۔ کشمیر انسانی وجوہ یا انسانی قدروں کے تحت اہم نہیں ہے بلکہ ان کی اپنی خود غرضی کی وجہ سے اہم ہے اور یہ غرض ہے پاکستان کی اپنی سلامتی اور دفاع۔

اس سے اس بات کی بھی وضاحت ہوتی ہے جو ایک بار بانیٔ پاکستان مسٹر جناح نے کہی تھی کہ جو پاکستان ملا ہے وہ اس سے مطمئن نہیں ہیں کیونکہ یہ "کرم خوردہ اور کٹا پھٹا" پاکستان ہے۔ اس لیے پاکستان سلامتی کونسل میں کشمیر کے مسئلے کو مسلسل اور زور شور کے ساتھ پیش کرتا ہے وہ کوئی انسانی حقوق کے خیال یا جذبے کے تحت نہیں کرتا۔

سچ بات تو یہ ہے کہ پاکستان اپنے دو قومی نظریے کے تحت کشمیر چاہتا ہے۔ کشمیر میں مسلمانوں کی اکثریت ہے اس لیے لازمی طور پر اسے پاکستان کا حصہ ہونا چاہیے۔ اگر ہم صرف کشمیر کے لوگوں کے بارے میں ان کے حقوق، ان کی سلامتی اور ان کی امن و چین سے رہنے کی خواہش کے بارے میں سوچیں تو اب وقت آگیا ہے کہ ہم اس کبھی ختم نہ ہونے والے جھگڑے کو ختم کر ڈالیں۔ پاکستان بڑی آسانی سے لڑائی مارا ماری کی باتیں کرتا ہے۔ کیا وہ یہ محسوس کرتا ہے کہ اس کے نتائج کیا ہوں گے؟ امن و چین کی بجائے خوں ریزی شروع ہو جائے گی۔ اگر مقدس تبرک کی چوری کو بہانہ بنا کر ڈیڑھ ہزار میل کی دوری پر فساد کرایا جا سکتا ہے تو اور بڑے اور وسیع پیمانے پر فرقہ وارانہ جذبات کو بھڑکانے کی وجہ سے سارے ہندوستان اور پاکستان میں زبردست فرقہ وارانہ فساد ہو سکتے ہیں اور اس کا نتیجہ ترک وطن ہوگا۔ جو لوگ اس کی وجہ سے دکھ اور مصیبت میں پھنس جائیں گے وہ پاکستان کے سیاست داں نہیں ہوں گے جو جہاد کی تبلیغ کرتے ہیں، بلکہ وہ لاکھوں بے گناہ افراد ہوں گے جو چاہتے ہیں کہ انھیں امن چین سے اپنے پیشوں میں لگا رہنے دیا جائے۔ اس لیے اگر ہم قیام امن اور انسانوں کی عزت اور سلامتی کے بارے میں سوچ رہے ہیں تو ہمیں اس صورت حال میں خلل ڈالنے اور انتشار پیدا کرنے سے پہلے جو ہندوستان میں آزادی کے بعد سے قائم ہوئی ہے ہزاروں مرتبہ سوچ لینا چاہیے۔

سلامتی کونسل کو پاکستان کی دھمکی

پاکستان کے وزیر خارجہ کی ساری تقریر کا لب لباب یہ ہے کہ ہندوستان اور پاکستان کے تعلقات کو مسموم کرنے والا صرف ایک مسئلہ ہے اور وہ ہے کشمیر۔ لہٰذا اگر کشمیر کا مسئلہ حل نہیں ہوا تو دونوں ملکوں کے تعلقات بہتر نہیں ہوں گے اور فرقہ وارانہ جھگڑے ہوتے رہیں گے۔

ہندوستان کی "نوآبادیاتی گرفت" میں ہے کشمیر ہندوستان کا حصّہ کسی فتح کی وجہ سے نہیں بنا ہے اور نہ ہی یہاں ایک نسل کا کسی دوسری نسل پر حکومت کا سوال ہے۔ کشمیر زمانۂ قدیم سے ہندوستان کا حصّہ رہا ہے اور کشمیر اور ہندوستان کے بقیہ حصّے کے لوگ نسلی لحاظ سے ایک ہی ہیں حتّیٰ کہ مذہبی طور سے بھی، حالانکہ ہندوستان کے اس حصّے میں مسلمان اکثریت میں ہیں۔ یہ اکثریت اس مذہب کو مانتی ہے جو ہندوستان کے ۵ کروڑ مسلمانوں کا ہے۔ یہیں پر پاکستان اور ہمارے درمیان بنیادی فرق ہے۔ پاکستان کو جو تعلق کشمیر سے نظر آتا ہے اور جس کی وجہ سے پاکستان کے نمایندے یہ کہتے ہیں کہ کشمیر کے لوگ ان کے اپنے ہیں وہ مشترک قومیت، مشترک نسل، مشترکہ روایات یا تاریخ کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ یہ صرف مذہب کا بندھن ہے۔ ہم پوری شدّت کے ساتھ اس فلسفے کو رد کرتے ہیں جو قومیت کو مذہب کے برابر درجہ دیتی ہے جس عقیدے پر ہماری ریاست کی بنیاد ہے اور جس پر ہمارا دستور تعمیر کیا گیا ہے۔ وہ ہے ایک ایسے سماج کی تعمیر جس میں کئی نسلوں اور مختلف مذہبوں کے لوگ مل جل کر ہنسی خوشی رہ سکیں، قانون کی نظروں میں برابر سمجھے جائیں اور انھیں ایک جیسے حقوق اور مواقع حاصل ہوں۔

اقلیت سے متعلق رویّہ — ایک موازنہ

ہندوستان میں مسلمانوں کے ساتھ ہونے والے سلوک اور بار بار ہونے والے فرقہ وارانہ فسادات کا پاکستانی وزیر خارجہ نے بڑے غصّے کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ یہ کہنا کہ ہر مسلم تہوار کے موقع پر مسلمانوں پر حملے کیے جاتے ہیں بالکل جھوٹ ہے کیا پاکستان کا مقدمہ اتنا کمزور ہے کہ اسے ایسی صریحی جھوٹی باتوں کا سہارا لینا پڑ رہا ہے ؛ مسلمانوں کے تہوار اکثر منائے جاتے ہیں جس میں دوسرے فرقے کے لوگ بھی اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ مل کر خوشیاں مناتے ہیں۔ مسلمان درویشوں کی درگاہوں پر اکثر میلے لگتے ہیں جس میں ہزاروں ہندو اور مسلمان شامل ہوتے ہیں اور ان بزرگوں کو نذرِ عقیدت پیش کرتے ہیں۔ میں بتا چکا ہوں کہ حال میں کشمیر میں بھی موئے مقدّس کی چوری کا سوگ صرف مسلمانوں نے نہیں بلکہ مسلمان، ہندو اور سکھ سبھوں نے منایا تھا اور جب یہ تبرک مل گیا تو اس کی خوشی صرف مسلمانوں تک محدود نہیں تھی بلکہ کشمیر اور ہندوستان کے سبھی فرقوں نے خوشی منائی۔ اس کے برعکس پاکستان میں کوئی خوشی نہیں منائی گئی اور اس تبرک کو جعلی قرار دیا گیا شاید اس لیے کہ ہندوستان کے خلاف مزید منافرت پیدا کی جائے۔ پاکستان کی ذہنیت ایسی ہے جس کے لیے یہ سمجھنا ناممکن ہے کہ ہندو اور مسلمان مل جل کر ہنسی خوشی کے ساتھ رہ سکتے ہیں۔

وزیر خارجہ نے ہندوستان میں ہونے والے فرقہ وارانہ فسادات کی بڑی بھیانک تصویر کھینچی ہے۔ انھوں نے ان کی تعداد ۵۵۰ بتائی ہے۔ یہ تعداد بہت بڑھا چڑھا کر پیش کی گئی ہے۔ اس سلسلے میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ یہ فرقہ وارانہ فساد ہمیں انگریزی حکومت سے ورثے میں ملے ہیں جو پورے برصغیر ہند میں ہوتے رہتے تھے یہ ایک ایسی بات ہے جس پر ہم دونوں ملکوں کو شرمسار ہونا چاہیے۔ لیکن جب سے ہندوستان آزاد ہوا ہے اس نے اپنی پوری پالیسی ایسی رکھی ہے جس سے اتحاد پیدا ہو تاکہ یہ فرقہ وارانہ فسادات ماضی کا افسانہ ہو جائیں۔ چونکہ پاکستان نے اعداد پیش کیے ہیں اس لیے میں بھی کونسل کے سامنے کچھ اعداد پیش کرنا چاہتا ہوں۔ صرف ۱۹۵۰ء سے ۱۹۵۶ء کے درمیان مشرقی پاکستان میں ۱۲۰۰۰ فرقہ وارانہ واقعات ہوئے جس میں اقلیتی فرقے کے لوگ ظلم و ستم کے شکار ہوئے۔ ان واقعات کی طرف مشرقی پاکستان کی حکومت کی توجہ مبذول کرائی گئی۔ ۱۹۵۶ء کے بعد سے کئی سو ایسے واقعات اور ہوئے۔ ہم ان فسادات کی مذمت کرتے ہیں خواہ یہ پاکستان میں ہوں یا ہندوستان میں۔ ہمیں بے گناہ لوگوں کے مارے جانے کا سخت افسوس ہے اور ہم ایسے فسادات کو روکنے کی پوری کوشش کرتے ہیں۔

اس سلسلے میں ہندوستان اور پاکستان کا رویّہ ایک دوسرے کے بالکل برعکس ہے۔ جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں فرقہ وارانہ فساد کے لیے اکسانا پاکستان کی پالیسی کا ایک حصّہ ہے۔ پاکستانی نمایندے نے ہندوستان کی فرقہ پرست جماعت ہندو مہاسبھا کے بعض ممبروں کے بیانات کے اقتباسات پیش کیے ہیں۔ ہندوستانی پارلیمنٹ میں مہاسبھا کا صرف ایک ممبر ہے جبکہ ممبروں کی مجموعی تعداد ۵۰۰ ہے۔ اس سے اندازہ ہو جائے گا کہ عوام میں اس پارٹی کو کتنی مقبولیت حاصل ہے۔ برسرِ اقتدار انڈین نیشنل کانگریس (اس پارٹی (مہاسبھا) کی پالیسی کی شدّت سے مخالف ہے۔ وزیر خارجہ نے انڈین نیشنل کانگریس کے رہنماؤں یا ہندوستان کی حکومت کے ارکان کے بیانات سے کوئی ایسا مواد نہیں پیش کیا ہے اور نہ ہی وہ کر سکتے ہیں جس میں ہندوستان کے ہندوؤں کو

مسلمانوں پر حملہ کرنے کی ترغیب دی گئی ہو۔ کیونکہ یہ بات انڈین نیشنل کانگریس کی بنیادی پالیسی کے خلاف ہے۔ مہاتما گاندھی نے ہندو مسلم اتحاد کے لیے اپنی جان دے دی اور جس پارٹی کی انھوں نے قیادت کی اور جس نے ہندوستان کی آزادی حاصل کی، اس نے ہمیشہ فرقہ وارانہ اتحاد کی تلقین کی ہے خواہ پاکستان کی طرف سے کتنی ہی شدید اشتعال انگیزیاں کیوں نہ کی جائیں۔ ہندوستان میں کوئی بھی ایسا مسلمان نہیں ہے جو ہمارے وزیر اعظم کو اپنا سچا دوست نہ سمجھتا ہو۔

کیا میں ہندوستان کے بارے میں ایک محترم ہستی اور غیر جانب دار مبصر کی شہادت پیش کر سکتا ہوں؟ پاکستان بھی اس بیان کی اہمیت اور وقعت کو چیلنج نہیں کر سکتا۔ سعودی عرب کے بادشاہ ہز میجسٹی شاہ سعود نے ہندوستان کے دورے کے اختتام پر جو کچھ کہا تھا میں کونسل کے ممبران کی توجہ اس کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں۔

"میں نے جب اس بیش بہا سرزمین (یعنی ہندوستان) پر قدم رکھا تو دو سوالات میرے ذہن میں تھے۔ ہندوستان کے مسلمانوں کی حالت اور برطانوی حکومت کے خاتمے کے بعد اس برصغیر کی عام انتظامی حالت کیا ہے۔ ہندوستان کے دورے کے اختتام پر میں اطمینان کے ساتھ تمام دنیا کے مسلمان بھائیوں سے کہہ دینا چاہتا ہوں کہ ہندوستانی مسلمانوں کی قسمت محفوظ ہاتھوں میں ہے۔ اس یقین دہانی کی تصدیق ان تمام مسلمان رہنماؤں نے کی جن سے میں ملا۔"

میں ایک اور غیر جانب دار شہادت پیش کروں گا۔ اقلیتوں کے خلاف امتیازی سلوک کو ختم کرنے اور ان کے تحفظ کے لیے اقوام متحدہ نے ایک ذیلی کمیشن بنایا تھا۔ میں اس کمیشن کی رپورٹ سے حوالہ دوں گا جو کہ اقوام متحدہ کی ایک سرکاری دستاویز ہے۔

"۱۱۔ جنوری ۱۹۵۹ء کو اقوام متحدہ کے ذیلی کمیشن میں بات چیت کے دوران مسٹر رچرڈ ہڈ کوکس (برطانیہ) نے کہا کہ ہندوستان میں مہاتما گاندھی اور مسٹر نہرو دنیا کے دو ممتاز رہنماؤں کو دھارے کے خلاف جانے کی ہمت تھی۔ انھوں نے چھوت چھات اور اقلیتوں سے متعلق رویے میں اخلاقی تبدیلیاں لائی ہیں۔ خاص طور سے گزشتہ دس برسوں میں مذہبی اقلیتوں کے خلاف امتیاز ختم کرنے کے سلسلے میں مسٹر نہرو نے قوانین بنوائے ہیں۔"

"انھوں نے اس خیال کا اظہار کیا کہ کیا دوسرے ملکوں مثلاً پاکستان کے لیڈروں کو اتنی ہمت ہے کہ وہ ہندوستانی لیڈروں کی پیروی کریں۔

"سینور ہرمین سانتا کروز (چلی) نے کہا کہ وہ حال ہی میں ہندوستان گئے تھے اور انھوں نے محسوس کیا کہ مسٹر نہرو اور ہندوستانی پارلیمنٹ نے رواداری پیدا کرنے اور اقلیتوں کے نقطہ نظر کو سمجھنے میں بڑا قابل ذکر حصہ لیا ہے۔"

ہمارے اخباروں کو دیکھیے۔ ہمارے ملک میں بھی چند غیر ذمہ دار اخبارات ہیں جیسے کہ ہر ملک میں ہوتے ہیں۔ لیکن ہماری حکومت نے ہمیشہ ان سے ضبط سے کام لینے کی اپیل کی ہے۔ اور میں ہندوستان کے پریس کو مبارک باد دیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ انھوں نے مشرقی پاکستان میں ہونے والے فرقہ وارانہ فسادات کے متعلق خبریں اور اپنی رایوں کا اظہار کرنے میں قابل تعریف حد تک ضبط سے کام لیا اور امن و امان کو بحال کرنے میں حکومت ہند کا ہاتھ بٹایا۔ ہمارا پریس بالکل آزاد پریس ہے اور جو لوگ ایک آزاد پریس سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ اس کو روکنا کتنا مشکل ہے۔ لیکن پاکستان میں پریس پر کنٹرول ہے اور وہاں کے اہم اخبارات: ایسے اخبارات جنھیں حکومت کی حمایت حاصل ہے، نے ہندوستان کے خلاف ایک زبردست مہم چلا رکھی ہے۔ شاید ہی کوئی ایسا دن گزرتا ہوگا جبکہ ہندوستان یا ہندوؤں کے خلاف نفرت نہیں پھیلائی جاتی ہوگی۔ پاکستان کے اخبارات میں حال میں جو کچھ شائع ہوا ہے اس کی کچھ مثالیں دوں گا۔ ایک اردو اخبار حریت کراچی نے ۴۔ فروری ۱۹۶۴ء کی اشاعت میں لکھا ہے:

"کشمیر جل رہا ہے۔ بھارت میں ہندوستانی مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہہ رہی ہیں اور مسلمان عورتوں کی بے آبروئی کی جا رہی ہے۔"

اس بیان کا ہندوستان اور پاکستان کے مسلمانوں کے دماغوں پر کیا اثر پڑے گا۔ کوئی بھی شخص سوچ سکتا ہے۔ اگر کبھی فرقہ وارانہ جذبات کو مشتعل کرنے کے لیے کوئی بات کہی گئی ہے تو وہ یہ ہے کہ کشمیر جل رہا ہے، مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہہ رہی ہیں اور

مسلمان عورتوں کی بے آبروئی کی جا رہی ہے۔ اگر یہ اشتعال انگیزی نہیں ہے تو پھر میں نہیں جانتا کہ یہ کیا ہے۔

اب میں ڈان کراچی کی یکم جنوری ۱۹۶۴ء کی اشاعت سے ایک اقتباس دوں گا۔ اس اخبار کو حکومت کی تائید حاصل ہے

" انھوں نے (یعنی مغربی پاکستان کے عوام نے) ہندوستان اور پاکستان کے مسلمانوں کو ترغیب دی ہے کہ اس مسئلے پر جہاد شروع کرنے کا اعلان کر دیں تاکہ اس ملک میں مسلم درگاہوں کو مزید بے حرمتی سے بچایا جا سکے۔"

کس درگاہ کی بے حرمتی کی گئی ہے؟ کیا پاکستانی وزیر خارجہ مجھے یہ بتانے کی تکلیف گوارا فرمائیں گے؟

میں پھر ۱۷ جنوری ۱۹۶۴ء کے ڈان سے حوالہ پیش کرتا ہوں:

"صدر سردار محمد عالم خاں نے مسلم کانفرنس کے عہدیداروں کو ہدایت دی ہے کہ وہ جہاد کے لیے رضا کار بھرتی کریں اور ان کو تیار رکھیں جب تک کہ دوسرے احکام نہ دیے جائیں۔"

یہ بھرتی کا حکم ہے، یہ اعلانِ جنگ ہے۔ وہ کشمیر کی طرف مارچ کرنے کے لیے صرف مناسب وقت کا انتظار کر رہے ہیں۔

پاکستان نے اپنی اقلیتوں کے ساتھ جو سلوک کیا ہے اس پر پاکستان کے وزیر خارجہ نے فخر کا اظہار کیا ہے۔ اقلیتوں سے سلوک کے کئی طریقے ہیں اور پاکستان نے جو طریقہ اپنایا ہے وہ غالباً سب سے مؤثر طریقہ ہے۔ اس نے مغربی پاکستان سے چند آدمیوں کو چھوڑ کر باقی تمام ہندوؤں کو نکال باہر کیا ہے اور اب ایسی پالیسیوں پر عمل کر رہا ہے جس سے رفتہ رفتہ مشرقی پاکستان کو ہندوؤں سے خالی کر دیا جائے۔ اگر پاکستان کی پالیسی کا مقصد ایک ایسی ریاست بنانا ہے جس میں صرف ایک ہی مذہب کے لوگ رہیں تو یہ ان اقدامات سے بڑی اچھی طرح پورا ہو رہا ہے جو پاکستان اپنے قیام سے اٹھا رہا ہے۔ پچھلے چند مہینوں میں بھی ہندوؤں کو ۳۰ ہزار کے لگ بھگ ہو پہنچا دیا گیا ہے

مشرقی پاکستان سے بھاگ کر آسام کے صرف ایک ضلع گارو ہلز میں آتے ہیں۔ ان میں سے تین ہزار عیسائی ہیں۔ تو یہ صرف ہندو ہی نہیں ہیں جو وہاں اپنے آپ کو محفوظ نہیں سمجھتے بلکہ عیسائی بھی ایسا ہی سمجھتے ہیں جو وہاں اقلیت میں ہیں۔

ہندوستان اور پاکستان کی اقلیتیں، دونوں کا فرق

شاید پاکستان کے لیے یہ آسان اور ممکن ہے کہ وہ اپنی اقلیتوں سے چھٹکارا پا لے۔ ہم مسلمانوں کو اس نظر سے نہیں دیکھتے کہ وہ اقلیت میں ہیں، بلکہ انھیں اپنی قوم کا اٹوٹ انگ سمجھتے ہیں۔ ۵ کروڑ مسلمان اپنے ہندو بھائیوں کے ساتھ ملک کے ہر حصے، ہر گاؤں، ہر شہر اور ہر قصبے میں رہتے ہیں۔ ہمارے لیے ہندوؤں اور مسلمانوں کے تبادلے کا خیال ہی نفرت انگیز ہے۔ ہم محسوس کرتے ہیں کہ اگر ہندوستان اپنے اندر بسنے والے تمام فرقوں کی حفاظت نہ کر سکا تو وہ بکھر جائے گا، ٹکڑوں میں بٹ جائے گا۔

پاکستان کے وزیر خارجہ کو اعداد و شمار پسند نہیں ہیں۔ وہ اپنے تخیل کی پرواز پر بھروسہ کرنا چاہتے ہیں۔ مشرقی پاکستان کے جو لوگ غیر قانونی طور پر ہندوستان میں گھس آئے ہیں اُن کے متعلق میں نے جو اعداد اپنی پہلی تقریر میں پیش کیے ہیں انھیں دہرانا نہیں چاہتا۔ لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ پر اٹل ہے اور جس کی پاکستان نے نہ کوئی تردید کی ہے اور نہ کوئی کر سکتا ہے کہ ۱۹۵۱ء سے ۱۹۶۱ء کی مردم شماری کی مدت میں مشرقی پاکستان کے مسلمانوں کی آبادی میں ۲۶ فی صدی کا اضافہ ہوا جبکہ ہندوؤں کی آبادی جوں کی توں رہی۔ اور مغربی بنگال میں مسلمانوں کی آبادی میں اضافے کی شرح قدرتی شرح سے کہیں زیادہ رہی۔ پاکستان کے وزیر خارجہ کو تعجب ہے کہ مشرقی پاکستان کا کوئی مسلمان ہندوستان کیوں جانا چاہے گا۔ غالباً مشرقی پاکستان کے مسلمان بھی ہندوستان کو ایک بہتر اور پُرامن ملک پاتے ہیں جہاں انھیں جمہوری اور دستوری حقوق حاصل ہوں گے۔ آج چالیس ہزار پاکستانی مسلمان ضروری ویزا حاصل کر کے ہندوستان میں کام کر رہے ہیں اور اپنی روزی کما رہے ہیں۔ اس کے علاوہ ۱۹۶۳ء میں کم میعاد والا ویزا لے کر تقریباً ۲ لاکھ پاکستانی مسلمان ہندوستان آئے۔ اگر ہندوستان میں مسلمانوں کو کوئی خطرہ لاحق ہوتا تو

کیا پاکستانی مسلمانوں کی اتنی بڑی تعداد ہندوستان آتی؟ وزیر موصوف نے یہ بھی کہا ہے کہ ہندوستان نے پاسپورٹ کے متعلق سخت ضوابط لاگو کر رکھے ہیں جس کی وجہ سے پاکستانی شہریوں کا ہندوستان جانا ناممکن ہے۔ وہ یہ بھول گئے ہیں کہ مشرقی ہندوستان اور مشرقی پاکستان کے مابین ۲ ہزار میل لمبی کھلی سرحد ہے۔ پاسپورٹ کا کوئی ضابطہ اور دنیا کی سخت سے سخت پولیس کی نگرانی بھی لوگوں کو سرحد پار کرنے سے نہیں روک سکتی۔ انھوں نے لنڈن ٹائمز کا بھی حوالہ دیا ہے۔ میں بھی اتنے اہم انگریزی رسالے 'اکن مسٹ' سے حوالہ دوں گا۔ اس کے نامہ نگار نے جو اس کا مدعی ہے کہ وہ حال ہی میں پاکستان گیا تھا، ایک ڈسپیچ بھیجا تھا جو ۵۔ اکتوبر ۱۹۶۳ء کی اشاعت میں چھپا تھا۔

"ہندوستان کو دق اور پریشان کرنے کی حکمت عملی کا تازہ ترین اظہار آسام اور مشرقی پاکستان کی سرحد پر ہوا ہے۔ ہندوستان بہت دنوں سے اس کی شکایت کر رہا ہے کہ مشرقی پاکستان کے بہت سے لوگ ناجائز طور سے گھس آئے ہیں۔ بعضوں کا کہنا ہے کہ ۱۹۵۱ء کے بعد سے اب تک ایسے آنے والوں کی تعداد ۵ لاکھ کے قریب ہے۔ یہ ترک وطن راولپنڈی (پاکستانی حکومت) کی سیاسی چال کی بجائے مشرقی پاکستان کے لوگوں کی زبوں حالی کا آئینہ دار ہے۔ جب یہ تارک وطن سرحد سے واپس کر دئے جاتے ہیں تو پاکستان یہ احتجاج کرتا ہے کہ آسام کو مسلمانوں سے خالی کیا جا رہا ہے۔"

مسٹر رچرڈ کرش فیلڈ کے مضمون کا حوالہ وزیر خارجہ نے اپنی موافقت میں دیا ہے۔ وہ یکم جنوری ۱۹۶۴ء کے نیویارک ہیرلڈ ٹریبون میں پاکستان کے بارے میں یہ لکھتے ہیں:

"اب تک قومی بجٹ کا ۷۰ فی صدی حصہ مغربی پاکستان کو ملتا ہے اور مرکزی حکومت کے ۹۰ فی صدی ملازمین اور تقریباً پوری فوج یہی مہیا کرتا ہے

"مشرقی پاکستان میں ملک کی آدھی سے زیادہ آبادی رہتی ہے لیکن اس کا زمینی رقبہ ملک کا ۱۵ فی صدی ہے۔ برآمدی آمدنی میں ۷۰ فی صدی اس کا حصہ ہوتا ہے لیکن حال تک اسے اخراجات کی مد کا ایک تہائی حصہ اور امریکی امداد کا پانچواں حصہ ملتا رہا ہے اور یہاں کوئی بھی نیا نجی ترقیاتی سرمایہ نہیں لگا ہے۔

"یہ وہ پاکستانی ہیں جنھیں پاکستان کے نظریے میں کوئی دل موہ لینے والی بات نظر نہیں آتی، بالغان کی رائے دہندگی کا حق، آزاد پریس، آزادئ تقریر یا اور اجتماع اس کے علاج میں مدد کر سکتے ہیں" (کیونکہ یہ حقوق پاکستان میں مفقود ہیں) "صدر ایوب صرف ہندوستان سے نفرت کی بنیاد پر وہ مضبوط سیاسی ڈھانچہ نہیں تعمیر کر سکتے جس کی انھیں ضرورت ہے۔"

مسٹر کرش فیلڈ کے مطابق پاکستان کی خارجہ پالیسی کی مضبوط بنیاد ہندوستان سے نفرت ہے۔ یہی بات میں نے اپنی پہلی تقریر میں کہی ہے۔

جب مشرقی پاکستان کی یہ حالت ہے تو کیا یہ تعجب کی بات ہے کہ لوگ بہتر مواقع کی تلاش میں دوسری جگہ جا رہے ہیں۔ پاکستانیوں کا ناجائز داخلہ صرف ہندوستان کے لیے ہی ایک مسئلہ نہیں ہے بلکہ برما کے لیے بھی ہے۔ کیونکہ یہی ایک ملک ہے جس کی سرحد مشرقی پاکستان سے ملتی ہیں۔ برما کے اخبارات میں جو خبریں شائع ہوئی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ برما میں اس طرح ناجائز داخل ہونے والوں کی تعداد ۱۲ لاکھ کے قریب ہے۔

پاکستان سے ترک وطن کر کے آنے والوں سے متعلق ہماری پالیسی میں کوئی تبدیلی نہیں آئی ہے لیکن مشرقی پاکستان سے ہندوستان آنے کے لیے دی گئی درخواستوں یا ترک وطن کی سرٹیفکیٹوں کی جانچ پڑتال میں تعجیل اور دیگر سہولتیں دینے کے لیے ہم ازراہ ترحم اور انسان دوستی مجبور ہیں۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ تمام ریاستیں ان پناہ گزینوں کی درخواست پر، جو ظلم وستم سے خوف زدہ ہو کر بھاگے آ رہے ہیں، ہمدردانہ غور کر رہی ہیں۔ لہٰذا یہ کہنا مضحکہ خیز ہے کہ ہمارے وزیر داخلہ نے مشرقی پاکستان سے مغربی بنگال آنے والی ہندو اقلیت کو ترک وطن کی بہتر سہولتیں دینے کا جو اعلان کیا ہے اس سے فرقہ وارانہ جذبات میں مزید ابتری پیدا ہوگی۔ اگر مشرقی پاکستان میں فسادات ہوتے ہیں جس میں جانیں جاتی ہیں۔ اگر تناؤ باقی رہتا ہے۔ اگر اخباروں میں مسلسل پروپیگنڈا ہوتا رہتا ہے تو کیا یہ تعجب کی بات ہے کہ ہندو اقلیت نہایت خوف اور گھبراہٹ کے عالم میں ہوگی اور ہندوستان آنا چاہے گی جہاں اسے تحفظ حاصل ہوگا۔

اس سلسلے میں یہ بتا دینا چاہتا ہوں گا کہ مندرجہ ذیل رپورٹ حکومت آسام سے موصول

ہوتی ہے۔ یہ ایک دردناک کہانی ہے اور مجھے افسوس ہے کہ مجھے اس کونسل کے سامنے سنانا پڑ رہا ہے۔

۶- فروری کی شام کو جبکہ ایک ہزار پناہ گزینوں کا جتھا مشرقی پاکستان کی سرحد پار کر کے آسام میں داخل ہو رہا تھا تو ایسٹ پاکستان رائفلز نے جو ایک طرح سے حکومت پاکستان کی فوج ہے ان پر گولی چلا دی، جس کی وجہ سے گیارہ پناہ گزین جس میں کچھ عورتیں بھی شامل تھیں زخمی ہوئیں اور دو بچے ہلاک ہو گئے۔ زخمیوں اور لاشوں کو پناہ گزین آسام لے گئے۔ حکومت آسام نے مشرقی پاکستان کی حکومت سے احتجاج کیا اور پاکستان کے حکام سے اپیل کی کہ وہ ان نہتے لوگوں پر جو ہندوستان میں پناہ لینے کے لیے آ رہے ہیں، گولی چلانا بند کرائے۔

پاکستانی وزیر خارجہ کی اس تجویز پر مجھے حیرت ہوئی کہ اس بات کا فیصلہ کرنے کے لیے ایک غیر جانبدار ٹربیونل مقرر کیا جائے کہ جن مسلمانوں کا اخراج کیا گیا ہے وہ ہندوستانی یا پاکستانی شہری تھے۔ پاکستانی نمائندے نے کہا ہے کہ فرقہ وارانہ اتحاد کا قیام ہندوستان اور پاکستان کا گھریلو مسئلہ ہے۔ کیا اس کا فیصلہ کرنا کہ کوئی خاص شخص ہندوستانی شہری ہے یا نہیں کم گھریلو مسئلہ ہے؟ کیا میں پورے احترام کے ساتھ یہ پوچھ سکتا ہوں کہ کیا ان تمام ملکوں میں سے کوئی بھی ملک جنہیں اس کونسل میں نمائندگی کا اختیار حاصل ہے اور ان ملکوں کے نمائندے جو اس ٹیبل کے ارد گرد بیٹھے ہوئے ہیں اس بات کا فیصلہ کرنے کے اپنے خود مختارانہ حق سے باز آ جانے کے لیے رضامند ہوں گے کہ کن غیر ملکیوں کو وہ اپنے ملک میں داخل ہونے اور انہیں اپنے علاقے میں رہنے دیں یا کون ان کے ملک کا شہری ہے یا غیر ملکی ہے؟ میں کہہ چکا ہوں کہ ہم لوگوں کو من مانے طور پر نکال باہر نہیں کرتے بلکہ ہم نے انھیں اس بات کا پورا پورا موقع دیا ہے کہ جنھیں ملک چھوڑنے کا نوٹس دیا گیا ہے وہ اپنی پوری صفائی پیش کریں۔

پاکستان کے وزیر خارجہ نے ہندو سماج اور ہندو مذہب پر بہت نامناسب حملہ کیا ہے۔ مجھے یہ توقع نہیں ہے کہ وہ اس مذہب کے فلسفے اور نظریات کو سمجھتے ہوں گے۔ پاکستان کے صدر نے جنوب اور جنوب مشرقی ایشیا کے خیرسگالی دورے کے دوران میں بھی ایسے ہی حملے کیے تھے۔ غالباً ہندو مذہب پر حملے کر کے خیرسگالی کے جذبے کو تقویت پہنچانا

مقصود تھا کسی دوسرے مذہب کو سمجھنے کے لیے وسیع النظری اور رواداری کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ ہندوستان میں ذات پات کا طریقہ اب تک موجود ہے لیکن ہم نے ایک غیر طبقہ وارانہ سماج کے قیام کا عہد کیا ہے اور اس مقصد کے حصول کے لیے مسلسل کوشش کر رہے ہیں۔ ایسے طریقوں کو بدلنا جو صدیوں سے رائج ہیں، آسان نہیں ہے۔ جیسا کہ پاکستانی نمائندے نے خود اقرار کیا ہے ہم نے چھوت چھات کو غیر قانونی قرار دیا ہے۔ اگر کوئی شخص کسی ایسے آدمی کو جس کے بارے میں یہ معلوم ہے کہ وہ اچھوت ہے کسی پبلک حق سے محروم رکھتا ہے تو وہ ضابطہ فوجداری کے تحت سزا پائے گا۔ ملازمتیں دینے، اپنی پالیسیاں وضع کرنے اور اپنی صنعتوں کو فروغ دینے میں ذات پات کا کسی طرح کوئی ہاتھ نہیں ہوتا۔ حتّٰی کہ سماجی معاملات میں بھی اس کا زور روز بروز کم ہوتا جا رہا ہے۔

پاکستانی نمائندے نے جن استعاروں کو استعمال کیا ہے وہ مجھے پسند نہیں آئے۔ میرے خیال میں یہ بد مذاقی کے نمونے تھے، انھوں نے ہندوستان کا مقابلہ ایک بوڑھے شخص سے کیا ہے جو اپنے نقلی دانت دکھا رہا ہے۔ جہاں تک آزادی کا تعلق ہے ہندوستان ایک نوجوان ملک ہے حالانکہ روایات اور تاریخ کے لحاظ سے ایک قدیم ملک ہے۔ یہ ایک ایسا ملک ہے جس نے اپنی آزادی کے بعد سے اب تک جمہوری اداروں کو قائم رکھا ہے اور آزادی کے ماحول میں اپنے ترقی کے پروگراموں کو شروع کیا ہے۔ یہ نقلی دانت نہیں ہیں۔ یہ وہ دانت ہیں جو ایک آزاد قوم کی حیثیت سے جنم لینے کے بعد نکلے ہیں۔

پاکستان کے معزز وزیر خارجہ نے اس امر پر حیرت کا اظہار کیا ہے کہ ہم چین کے ساتھ پاکستان کی دوستی کو ناپسند کرتے ہیں۔ ایسی بات نہیں ہے۔ ہمارا خود خیال ہے کہ تمام ملکوں سے دوستانہ تعلقات ہونے چاہئیں اور چینی حملے سے قبل چین کے ساتھ ہمارے تعلقات خود دوستانہ تھے۔ قابل احترام وزیر خارجہ نے میرے اس جملے پر اعتراض کیا ہے کہ پاکستان چین کے ساتھ محبت کی پینگیں بڑھا رہا ہے۔ غالباً پاکستان کا ارادہ سنجیدہ اور گہرے تعلقات قائم کرنے کا ہے۔ ہمیں جس بات پر اعتراض اور ناراضگی ہے وہ چینی حملے کے بعد سے پاکستان کا رویہ ہے۔ یہ سوچا جا سکتا ہے کہ جب چین نے ہم پر حملہ کیا تو پاکستان ہم سے کہتا۔ "آپس

ہیں ہمارے جھگڑے ہیں، اختلافات ہیں، لیکن ہم پڑوسی ہیں ہم تمھاری مشکلات میں اضافہ نہیں کریں گے۔" یہ ایک مناسب رویہ ہوتا۔ لیکن صرف پاکستان نے یہ نہیں کیا کہ ہمارا ساتھ نہیں دیا بلکہ دوست ملکوں کو ہماری امداد سے باز رکھنے کے لیے ہر ممکن دلیل استعمال کی۔ اس نے وہی چال اختیار کی جو وہ اب سلامتی کونسل میں استعمال کر رہا ہے اور سیٹو اور سنٹو میں شریک ملکوں کو اس کی دھمکی یہ تھی کہ اگر انھوں نے ہمیں مدد دی تو پاکستان ان معاہدوں سے الگ ہو جائے گا۔

پاکستان نے ان معاہدوں میں کیوں شرکت کی

پاکستان کے قابلِ احترام وزیر خارجہ نے کہا ہے کہ پاکستان ہمیشہ اپنے دوستوں کا وفادار رہا ہے۔ اس سلسلے میں میں وزیر اعظم چو این لائی کے ایک بیان سے اقتباس پیش کرنے پر قناعت کروں گا جو انھوں نے ۱۰ اپریل ۱۹۶۳ء کی ایسوسی ایٹڈ پریس آف پاکستان کو دیا تھا۔ وزیر اعظم چو این لائی نے انکشاف کیا کہ پاکستان کے لیڈروں نے انھیں ۱۹۵۴ء میں یہ یقین دلایا تھا کہ پاکستان ہندوستان کے اوپر سیاسی اور فوجی تفوق حاصل کرنے کے لیے مغربی ملکوں کے ساتھ فوجی معاہدوں میں شامل ہوا تھا اور یہ کہ "ان معاہدوں میں شامل ہونے کے پیچھے پاکستان کا کوئی اور مقصد نہیں تھا۔" میں سوچتا ہوں کہ کیا پاکستان کے وزیر خارجہ یہ کہتے جا رہے ہیں۔ "مجھے میرے دوستوں سے بچاؤ۔" مصیبت کی سخت گھڑی میں ہمیں اپنے دفاع کو مضبوط بنانے سے روکنے کی پوری کوشش کرنے کے بعد پاکستان آج تک چین کی حمایت میں پروپیگنڈہ کر رہا ہے اور بڑی سنجیدگی کے ساتھ یہ کہتا ہے کہ ہم جارح ہیں اور چین مظلوم ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جارحیت میں جو فریق بے گناہ ہے اس پر الزام لگانا پاکستان کا شیوہ ہے۔

پاکستان کے قابلِ احترام وزیر خارجہ نے یہ الزام لگایا ہے کہ ہندوستان کے تعلقات صرف چین کے ساتھ ہی نہیں بلکہ دوسرے پڑوسی ملکوں کے ساتھ بھی جن کی سرحدیں ہندوستان سے ملتی ہیں، کشیدہ ہیں۔ ہمارے خلاف پاکستان جو بلا وجہ اور معاندانہ پروپیگنڈہ کر رہا ہے اس کے پیچھے جو مقصد اور جذبہ ہے وہ صاف ظاہر ہے۔ ہماری ناوابستگی کی پالیسی کی بنیاد تمام ملکوں سے دوستانہ تعلقات ہیں خواہ ان کے نظریات یا سیاسی اور معاشی ڈھانچے کچھ بھی ہوں۔ نزدیکی پڑوسی ملکوں افغانستان، نیپال، برما اور سیلون سے ہمارے بڑے اچھے اور دوستانہ تعلقات ہیں۔ اسی طرح چین کے ساتھ بھی ہمارے دوستانہ تعلقات قائم تھے لیکن چین نے ہم پر حملہ کر دیا اور زبردستی اور غیر قانونی طور سے ہمارے علاقے کے ایک حصے پر قبضہ کر لیا۔

افریقی ملکوں کا ہندوستان کو خراج تحسین

پاکستان اس حد تک جا پہونچا کہ اس نے ہمارا مقابلہ جنوبی افریقہ سے کیا ہے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ۱۹۴۶ء میں جب میں ہندوستانی وفد کے ایک ممبر کی حیثیت سے اقوام متحدہ آیا تھا تو میں نے جنوبی افریقہ کے خلاف ہندوستان کی طرف سے قرارداد پیش کرانے میں حصہ لیا تھا اور مجھے ہندوستان اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں دو تہائی اکثریت سے منظور کرانے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ ہم نے ہی پہلی بار نسلی امتیاز اور جنوبی افریقہ کی نسلی پالیسیوں کے خلاف اعلانِ جہاد کیا تھا۔ پاکستان نے ہمارے افریقی بھائیوں سے ہمارے اختلافات پیدا کرانے کی جو بھونڈی کوشش کی ہے وہ کامیاب نہ ہوگی۔ میرا خیال ہے کہ پاکستان کے قابلِ احترام وزیر خارجہ نے جو الزامات لگائے ہیں اس کے مقابلے میں افریقی جو کہتے ہیں وہ زیادہ مستند ہے۔ کیا مجھے مثال کے طور پر البرٹ لوتھولی کی حالیہ کتاب (LET MY PEOPLE GO) سے ایک اقتباس پیش کرنے کی اجازت دی جائے گی؟ کونسل واقف ہے کہ جنوبی افریقہ کے مسٹر البرٹ لوتھولی ایک ممتاز افریقی رہنما ہیں جنھیں امن کا نوبل انعام دیا گیا تھا۔ انھوں نے اپنی کتاب ۱۹۶۲ء میں لکھی تھی۔ اس کتاب کے صفحہ ۲۱۰ پر وہ لکھتے ہیں:

"جس طریقے سے ہندوستان نے اقوام متحدہ میں جنوبی افریقہ کی ستم رسیدہ اکثریت کی حمایت کی تھی اور نسلی امتیاز کا بھانڈہ پھوڑا تھا اس سے ہماری حوصلہ افزائی ہوئی تھی۔"

جنوبی افریقہ کے ساتھ پاکستان کی تجارت

پاکستان اور جنوبی افریقہ کی پالیسیوں میں بڑی مماثلت ہے۔ جنوبی افریقہ کی حکومت نسلی امتیاز کو ختم کرنے کی بجائے اس کی حمایت کرتی ہے۔ اس پر نازاں ہے اور قانونی اور سرکاری طور پر اس کی تائید کرتی ہے۔ پاکستان بھی کئی فرقوں والا سماج تعمیر کرنے کی بجائے ایک فرقے کو دوسرے فرقے سے نفرت کرنے کی تلقین کرتا ہے اور ہر پہلو سے اپنی پالیسی میں نارواداری اور تعصب کا اظہار کرتا ہے۔ یہاں میں یہ ذکر کر دینا چاہتا ہوں کہ جنرل اسمبلی نے اپنے سترھویں اجلاس میں ریزولیوشن ۱۷۶۱ (XVII) پاس کیا تھا جس میں تمام ممبروں سے اپیل کی گئی تھی کہ وہ منجملہ دوسری باتوں کے جنوبی افریقہ کے ساتھ تمام تجارت بند کر دیں۔ سبھی جانتے ہیں کہ ہندوستان نے گزشتہ سترہ برسوں سے جنوبی افریقہ کے ساتھ کوئی تجارت نہیں کی ہے۔ ریزولیوشن ۱۷۶۱ (XVII) کو منظور کرنے، اور اس ریزولیوشن کو دوسرے کے ساتھ مل کر پیش کرنے اور اس کی حمایت میں ووٹ دینے کے باوجود پاکستان نے جنوبی افریقہ سے تجارت جاری رکھی اور میں اس سلسلے میں اقوام متحدہ کی دستاویز اے/ایس پی سی/۹۴ آف نومبر ۲۲، ۱۹۶۳ء سے حوالہ پیش کروں گا۔ یہ دستاویز ان جوابات پر مشتمل ہے جو ممبر ملکوں سے اقوام متحدہ کے ریزولیوشن ۱۷۶۱ (XVII) کی منظوری اور سلامتی کونسل کی ۷ - اگست ۱۹۶۳ء کی تجویز کی روشنی میں موصول ہوئے تھے۔ یہ جوابات سیکرٹری جنرل یا جنوبی افریقہ کی حکومت کی نسلی امتیاز کی پالیسیوں کے بارے میں بنائی گئی اسپیشل کمیٹی کے چیئرمین کے نام بھیجے گئے مراسلوں یا جنرل اسمبلی یا سلامتی کونسل میں دئے گئے بیانوں کی صورت میں ہیں۔ پاکستان کا جو بیان متذکرہ بالا دستاویز میں ہے اس سے اقتباس پیش کرتا ہوں:

"اس نے پاکستان میں جنوبی افریقہ کا مال آنا بند کر دیا ہے اور اسلحہ، گولہ بارود، تمام قسم کی فوجی گاڑیوں اور دیگر سامان حرب بیچنے پر پابندی لگا دی ہے، پہلے سے کئے گئے وعدوں کے نتیجے میں اب تک جنوبی افریقہ کے ساتھ کچھ حد تک بڑی محدود تجارت کر رہا ہے لیکن ان برآمدات کو ختم کرنے کے لیے سنجیدگی سے غور کر رہا ہے۔"

(اے/ایس پی سی/۹۴/ ص ۲۱)

جنرل اسمبلی نے ریزولیوشن ۱۷۶۱ (XVII) ۱۹۶۲ء میں منظور کیا تھا اور پاکستان کا یہ جواب جس کا میں نے حوالہ دیا ہے وہ ۲۲ نومبر ۱۹۶۳ء کو بھیجا گیا تھا۔

پاکستان ان چند افریشیائی ملکوں میں سے ایک ہے جس کے سفارتی تعلقات پرتگال کے ساتھ قائم ہیں۔ صرف یہی نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ اس کے وسیع تجارتی اور ہوائی ٹریفک سے متعلق تعلقات قائم تھے۔ کشمیر کا انگولا اور موزمبیق سے مقابلہ محض تخیل کی کارفرمائی نہیں ہے بلکہ ایک بیمار اور گمراہ ذہن کا آئینہ دار بھی ہے۔ پھر کشمیر میں حق خودارادیت کے سوال کو انگولا یا موزمبیق یا افریقہ کے دوسرے ملکوں کے حق خودارادیت کے سوال کے برابر قرار دینا مضحکہ خیز ہے۔ جبکہ جموں اور کشمیر ہندوستان کا ایک حصہ ہے۔ انگولا اور موزمبیق آزاد نہیں ہیں۔ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے ۱۹۶۰ء میں ریزولیوشن ۱۵۱۴ (XV) منظور کیا تھا جس میں ان کی اس نوعیت کا اعلان کیا گیا ہے۔ اقوام متحدہ کے منشور کے تحت اس ملک کے عوام کو اپنی مرضی کے مطابق آزادی حاصل کرنے کا پورا پورا حق حاصل ہے۔

پاکستان کے قابل احترام وزیر خارجہ نے خودارادیت کی شان میں قصیدے پڑھے ہیں حالانکہ انھوں نے بہت کچھ کہا ہے لیکن ان کے پاس اس سوال کا جواب نہیں ہے کہ کیا وہ پختونوں، بلوچیوں یا مشرقی پاکستان کے لوگوں کو جن کے عوام سب جانتے ہیں کہ نسلی اور لسانی اعتبار سے پاکستان کے بقیہ لوگوں سے مختلف ہیں، خودارادیت کا حق دینے کیلئے تیار ہیں؟

خودارادیت کسی ملک کے ٹکڑے کرنے کے لیے نہیں ہے

مجھے پھر دہرانے دیجئے کہ خودارادیت کا اصول قوموں اور ملکوں پر لاگو ہوتا ہے کسی ملک کے ٹکڑے کرنے یا اس کے عوام کو الگ الگ کر دینے کے لیے لاگو نہیں کیا جا سکتا۔ اقوام متحدہ اور افریقہ کے تمام ملکوں نے اس اصول کا سہارا لے کر کٹنگا کے حق خودارادیت کی مخالفت کی تھی۔ کوئی بھی شخص اس فیصلے کو درست تسلیم کرنے سے انکار نہیں کرتا جس نے کانگو اور شاید افریقہ کے ایک بڑے حصے کو مزید بٹوارے، انتشار اور افراتفری سے بچا لیا۔

میں نے ۵ فروری کی اپنی تقریر میں جو باتیں کہی تھیں انھیں دہراتا ہوں - ہم خودارادیت کے اصول کی پوری طرح تائید کرتے ہیں اور پھر کہتا ہوں کہ ہم اس اصول کی پوری تائید کرتے ہیں۔ لیکن اقوامِ متحدہ کا کوئی ممبر اس کو ریاستوں اور قوموں کو ٹکڑوں میں بانٹ دینے والے ذریعے کی حیثیت سے منظور نہیں کرے گا۔

اقوام متحدہ کے ایک ممبر ملک کی حیثیت سے ہم پہلے ہی حق خودارادیت کو استعمال کر چکے ہیں۔ منتخب نمائندوں پر مشتمل دستور ساز اسمبلی کے ذریعے جس میں جموں اور کشمیر کے نمائندوں نے شرکت کی تھی۔ ہندوستانی عوام نے اپنے لیے ایک دستور تیار کیا جو ہم اور سوا سے لاگو ہے۔ اس دستور کے تحت بالغوں کے حق رائے دہندگی کی بنیاد پر تین عام انتخابات ہو چکے ہیں جس میں آخری انتخاب میں ووٹ دینے والوں کی تعداد ۲۱ کروڑ تھی۔ جس کی تاریخ میں کوئی مثال نہیں تھی۔ جموں اور کشمیر میں رہنے والے ہندوستانی عوام نے اس خودارادیت میں پورا حصہ لیا۔ انھوں نے اپنے حق خودارادیت کو استعمال کر لیا۔ لیکن جب یہ کہا جاتا ہے کہ ہندوستان کے عوام سے الگ کر کے کشمیر کے لوگوں کو خودارادیت کے اظہار کا موقع دیا جائے تو ہم اسے منظور نہیں کر سکتے۔ اسی طرح اس بنیاد پر کہ جموں اور کشمیر کے لوگوں میں ایک خاص مذہب کو ماننے والوں کی اکثریت ہے کوئی دوسرا مشورہ بھی ہمارے لیے قابلِ قبول نہیں ہے۔

کیا پاکستان نے دیسی ریاستوں کے لوگوں کو خودارادیت کے اظہار کی اجازت دی تھی جب ان کے حکمرانوں نے پاکستان سے الحاق کیا تھا؟ چند سال پہلے مغربی پاکستان کی ہائی کورٹ میں انکشاف ہوا تھا کہ بہاول پور کی ریاست کا الحاق اس کے حکمران کو مجبور کر کے کیا گیا تھا۔ خان آف قلات نے الحاق کے خلاف ۱۹۴۸ء میں بغاوت کی تھی۔ انھیں گرفتار کیا گیا اور نظربند رکھا گیا۔ دونوں صورتوں میں خودارادیت کا اصول لاگو نہیں کیا گیا۔ جب پاکستان نے سوات، ... کو ... خریدا۔ میں لفظ 'خریدا' پر زور دیتا ہوں تو عوام کے حق خودارادیت سے متعلق پاکستان کے بے پناہ جذبے کو کیا ہوا تھا؟ تو اور کے لوگوں کو یہ کہنے کا کوئی موقع نہیں دیا گیا کہ کیا وہ بیسویں صدی کے دوسرے نصف حصے میں جائیداد غیر منقولہ کی طرح خریدے جانا پسند کرتے ہیں؟

میں نے یہ کہا ہے کہ مہاراجہ کشمیر نے جو معاہدۂ الحاق کیا۔ اس کے قانونی طور پر درست ہونے میں مذہب کا سوال کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ میری اس دلیل کو پاکستان کے وزیر خارجہ نے رد کرنے کی کوشش کی ہے اور انھوں نے جوناگڑھ کی مثال دی ہے۔ لیکن اس معاملے میں الحاق اس اصول کے خلاف ہوتا ہے کہ دونوں کی سرحدیں ملی چاہئیں۔ لیکن اس سے قطع نظر جوناگڑھ کے لوگوں کی بڑی اکثریت نواب کے پاکستان کے ساتھ الحاق کرنے کے فیصلے کے خلاف تھی۔ یہ حقیقت بالکل متنازعہ فیہ نہیں ہے۔ آپ کو صرف ہندوستان کے اس حصے کے نقشے پر نظر ڈالنے کی ضرورت ہے۔ اس سے اندازہ ہو جائے گا کہ جوناگڑھ کا پاکستان سے الحاق کتنا مضحکہ خیز ہوتا۔ کشمیر کے معاملے میں نہ صرف قانونی اور غیر مشروط الحاق کیا گیا ہے بلکہ علاقوں کے متصل ہونے کی شرط بھی پوری ہوتی ہے اور اگر الحاق کے وقت ہمیں کشمیر کے لوگوں کی خواہش کو بھی زیر غور لانا پڑتا تو اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ نیشنل کانفرنس جو کشمیریوں کی بڑی اکثریت کی نمائندگی کرتی ہے اس کی حمایت کرتی کیونکہ وہ ہندوستان کے ساتھ الحاق کے لیے واضح اور زوردار طور پر اپنی حمایت کا اظہار کر چکی تھی۔ کہ میں اپنی پہلی تقریر میں بتا چکا ہوں۔ مہاراجہ کشمیر کے معاہدۂ الحاق پر دستخط کرنے اور ہندوستان کے گورنر جنرل کا اسے منظور کر لینے کا جواثر ہوا میں اس کو دہرانا نہیں چاہتا۔ میں یہ بھی بتا چکا ہوں کہ ہندوستان کے وزیر اعظم اور دوسرے لوگوں نے عوام کی رائے معلوم کرنے کے بارے میں جو بیانات دئے تھے وہ اس وقت کے حالات کو مدِ نظر رکھ کر اور اس واضح یقین کی بنیاد پر دئے تھے کہ پاکستان نے سلامتی کونسل سے جو وعدہ کیا ہے وہ اسے پورا کرے گا اور اپنی جارحیت کو ختم کرے گا۔

یو۔ این کمیشن کی تجویزیں۔ پس منظر

اقوام متحدہ کے کمیشن اور وزیر اعظم ہند کے درمیان کمیشن کی ۱۱۔ دسمبر ۱۹۴۸ء کی استصواب رائے کی تجویز جو بعد کو ۵۔ جنوری ۱۹۴۹ء کی قرارداد بن گئی کے بارے میں جو باتیں ہوئی تھیں ان میں کہا گیا تھا،

"وزیر اعظم نے پہلے اس بات پر زور دیا کہ اقوام متحدہ کمیشن کی استصواب رائے

کی تجویز کو قبول کرتا ہے تو اس سلسلے میں کوئی قدم نہیں اٹھایا جا سکتا جب تک کہ کمیشن کے ۱۳۔ اگست کے ریزولیوشن کے حصہ اول و دوم پر پوری طرح عمل درآمد نہ ہو جائے۔ دوسرے یہ کہ اگر پاکستان ان تجویزوں کو نہ مانے یا اگر مان لے مگر ۱۳۔ اگست کے ریزولیوشن کے حصہ اول اور دوم پر عمل نہ کرے تو حکومت ہند نے جن باتوں کو مانا ہے اس پر عمل کرنا اس کے لیے کسی طرح لازم نہیں آئے گا۔"

وزیراعظم نے ۵ جنوری ۱۹۴۹ء کو یہ کہا تھا اور میں بھی ۱۹۶۴ء میں بالکل یہی بات کہہ رہا ہوں۔ وزیراعظم نے یہ بات صاف کر دی تھی کہ جب تک ۱۳۔ اگست کے ریزولیوشن کے حصہ اول اور دوم پر عمل نہیں ہوگا حکومت ہند نے جو باتیں منظور کی ہیں اس پر عمل کرنا اس کے لیے لازم نہیں ہوگا۔ لہٰذا ۱۹۴۹ء میں وزیراعظم نے جو باتیں کہی تھیں بالکل وہی ہیں جو میں ۱۹۶۴ء میں کہہ رہا ہوں۔

یو۔ این کمیشن کے چیئرمین ڈاکٹر لوزانو نے ان باتوں کو تسلیم کر لیا تھا جس کی طرف ہندوستان کے وزیراعظم نے اشارہ کیا تھا (دستاویز نمبر ایس/۱۱۹۶ کے پیراگراف ۲ اور ۳) مسٹر این گوپالاسوامی آئنگر جن کا پاکستان کے وزیر خارجہ نے حوالہ دیا ہے، ۲۷ جولائی ۱۹۴۹ء کو ہندوستان کی دستور ساز اسمبلی میں کہا تھا:

"مہاراجہ نے الحاق کی پیش کش کی اور اس وقت کے گورنر جنرل نے اسے منظور کر لیا۔ یہ بالکل ایک غیر مشروط پیش کش تھی۔ الحاق بالکل مکمل ہے۔"

اس طرح یہ بات بالکل عیاں ہے کہ ہندوستان نے خود ہی جموں اور کشمیر کے لوگوں سے کہا تھا کہ جب کشمیر کی سرزمین حملہ آوروں سے پاک ہو جائے گی اور امن و امان بحال ہو جائے گا تو لوگوں کی رائے معلوم کی جائے گی۔ یہ بات الحاق کا ایک حصہ یا الحاق سے پہلے یا بعد کی شرط کی حیثیت نہیں رکھتی۔ اس وقت ان محدود معنوں میں یہ بات کہی گئی تھی کہ الحاق کے بارے میں عوام کی مرضی معلوم کی جائے گی۔ یہ بات الحاق کے قانونی طور پر جائز ہونے پر کوئی اثر نہیں ڈالتی جیسا کہ میں نے پہلے کہا ہے اور اب بھی کہتا ہوں کہ یہ الحاق قطعی اور مکمل ہے۔ ۱۹۴۷ء کا ہندوستان کی آزادی کا قانون مشروط الحاق یا ایک مشروط ریاستی علیحدگی کے بارے میں بالکل خاموش ہے اور پاکستان کے وزیر خارجہ یقیناً اس قانون کو چیلنج نہیں کر سکتے۔ کیا وہ کہہ سکتے ہیں کہ اس قانون کے تحت الحاق مکمل اور قطعی ہونے کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے۔ کیا اس قانون میں ایسی بھی کوئی دفعہ ہے جو اشارتاً بھی جزوی، عارضی، غیر واضح یا مشروط الحاق کے بارے میں ہے۔ اس قانون میں الحاق سے متعلق جو دفعات ہیں ان کا مطلب بالکل صاف، سیدھا سادا اور غیر مبہم ہے۔

۷۔ اگست ۱۹۵۲ء کو پارلیمنٹ میں تقریر کرتے ہوئے ہندوستان کے وزیراعظم نے اس پوزیشن کی پھر وضاحت کی:

"ہندوستان کی تمام ریاستوں نے جولائی یا اگست یا اس سال (۱۹۴۷ء) کے آخیر تک الحاق کر لیا۔ یہ الحاق تین باتوں کے بارے میں ہوا تھا، امور خارجہ، رسل و رسائل اور دفاع۔ کیا کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ اگست یا ستمبر یا ۱۹۴۷ء کے اخیر میں ان ریاستوں کا الحاق مکمل نہیں تھا کیونکہ یہ صرف تین باتوں کے بارے میں ہوا تھا؟ اس لیے قانونی طور سے جموں اور کشمیر کا الحاق مکمل تھا اور اکتوبر کی کسی تاریخ کو ایک حقیقت بن چکا تھا۔ یہ معاملہ یہاں پہنچ کر ختم ہو جاتا ہے اور اس پر کسی شک کا اظہار نہیں کیا جا سکتا اور نہ اسے چیلنج کیا جا سکتا ہے۔"

اس طرح ہم نے اپنی پوزیشن کبھی نہیں بدلی اور ۱۹۴۷ء سے لے کر اب تک اس پر قائم ہیں۔

جب میں نے یہ کہا کہ یو۔ این کمیشن کے ریزولیوشن جنہیں ہم نے منظور کیا تھا فرسودہ ہو چکے ہیں تو میرا مقصد سلامتی کونسل کی توہین کرنا نہیں تھا۔ ہم ان ملکوں میں سے ہیں جنہوں نے اقوام متحدہ کی بنیاد ڈالی ہے اور ہم اس تنظیم اور خاص طور سے سلامتی کونسل کی بے حد عزت کرتے ہیں۔ آپ اس ریزولیوشن کو جو سولہ سال پہلے منظور کیا گیا تھا اور جس پر پاکستان نے عمل نہیں کیا فرسودہ کے سوا اور کیا کہہ سکتے ہیں۔ یہ اس لحاظ سے فرسودہ ہو چکا ہے کہ خود پاکستان نے اپنے طرز عمل سے اس کی بنیادیں ڈھا دی ہیں۔ پاکستان کے وزیر خارجہ نے بڑی ہوشیاری سے اس غلط بیانی کا حوالہ نہیں دیا جو پاکستان نے کشمیر

میں اپنی موجودگی کے سلسلے میں دیا تھا۔ وزیر خارجہ نے ان پریشان کن حقائق سے یہ کہہ کر پیچھا چھڑانے کی کوشش کی ہے کہ یہ بے محل ہیں۔ کیونکہ یہ واقعات ہمارے، پاکستان اور سلامتی کونسل کے درمیان معاملات طے ہو جانے سے پہلے ہوئے تھے۔ یہ اقوامِ متحدہ کے کمیشن کی تجاویز کی بالکل غلط تاویل ہے جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں اور پھر کہتا ہوں کہ یہ ریزولیوشن مشروط تھے اور شرط یہ تھی کہ پاکستان اپنی جارحیت کو ختم کرے گا مگر اس شرط پر عمل نہیں کیا گیا اور آج تک بھی یہ شرط پوری نہیں کی گئی ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پاکستان کو کشمیر میں غیر قانونی طور پر اپنی موجودگی کی وضاحت کرنی مشکل ہو رہی ہے۔ وزیر خارجہ نے اس پریشان کن سوال کو یہ کہہ کر ختم کر دینا چاہا ہے

"کسی معاہدے کو قبول اور منظور کرنے سے پہلے جو تنازعے تھے آپ انھیں پھر نہیں اُٹھا سکتے۔ جب ایک بار کوئی معاہدہ ہو گیا تو آپ اس تنازعے کی پھر تجدید نہیں کر سکتے جو اس معاہدے کا باعث ہوا ہے۔"

یہ بڑی عجیب و غریب دلیل ہے کہ چونکہ ہم بعض شرطوں کی بنیاد پر کسی مصالحتی فارمولے کو مان لینے کے لئے تیار ہو گئے ہیں تو یہ مصالحت مقدس اور متبرک بن گئی خواہ اس کی شرطیں پوری نہ کی گئی ہوں۔ اس طرح تو بلاشبہ ایک عجیب و غریب صورت پیدا ہو جائے گی اور کوئی کیسے عارضی سمجھوتے یا پلان کے بارے میں باتیں کر سکتا ہے جبکہ یہ نتیجہ نکالا جائے گا کہ اس عارضی سمجھوتے کی وجہ سے ہمیشہ کے لیے اس کے ہاتھ بندھ گئے۔ پھر کوئی کس طرح گفت و شنید جاری رکھ سکے گا؟ مباحثے کے دوران بہت سی پیش کشیں کی جاتی ہیں اور تجویزیں پیش کی جاتی ہیں۔ ان پیش کشوں پر عمل کرنا اس وقت لازم ہو جاتا ہے جب انھیں منظور کر لیا جائے۔ اگر انھیں منظور نہیں کیا جائے تو یہ منسوخ ہو جاتی ہیں۔ اگر کوئی پیش کش کی گئی اور اسے منظور نہیں کیا گیا یا اس پر عمل نہیں کیا گیا تو وہ ہمیشہ کے لیے قائم اور باقی نہیں رہ سکتی۔ ہم نے گذشتہ موقعوں پر یہ بات واضح کر دی ہے اور اب ایک بار پھر اس کی وضاحت کر دی ہے۔

کسی وقت بھی ہم ریاست جموں اور کشمیر کے اوپر اپنے اقتدارِ اعلیٰ سے دست بردار نہیں ہوئے۔ اور ہم نے کبھی کوئی ایسی تجویز منظور نہیں کی ہے جس سے اشارتاً بھی ہمارے اقتدارِ اعلیٰ پر حرف آتا ہو۔ ہم نے یہ دیکھنے کی زحمت گوارا کی ہے کہ اس بنیادی پوزیشن سے انحراف نہیں کیا گیا ہے جسے اقوامِ متحدہ کے کمیشن کے ۱۳۔ اگست ۱۹۴۸ء اور ۵ جنوری ۱۹۴۹ء کے ریزولیوشن میں اپنایا گیا ہے۔ قدرتی طور پر ان تجویزوں میں جنھیں دونوں فریقین نے منظور کیا ہے ہندوستان کسی طرح کی کوئی ترمیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہے خصوصاً جن ترمیموں کا مشورہ دیا گیا ہے وہ صرف پاکستان کے حق میں ہیں۔ "ساتھ ساتھ عمل کرنے" اور "متوازن فوجیں" رکھنے سے متعلق تمام باتیں بعد کی ہیں جنھیں اقوامِ متحدہ کے کمیشن نے اپنے ریزولیوشن مرتب کرتے وقت ملحوظ نہیں رکھا تھا۔

۱۳۔ اگست ۱۹۴۸ء کا ریزولیوشن فرسودہ ہے۔

میں نے ابھی کہا ہے کہ ۱۳۔ اگست ۱۹۴۸ء کا ریزولیوشن فرسودہ ہو چکا ہے اور پاکستان نے خود اپنے طرزِ عمل سے اس کی بنیاد ڈھا دی ہے۔ پاکستان نے اس تجویز کی شرطوں کی جو بڑی بڑی خلاف ورزیاں کی ہیں میں مختصراً ان کا ذکر کروں گا:

۱۔ پاکستانی فوجوں اور پاکستانی عملوں کی کشمیر میں موجودگی۔

پاکستان اس سے انکار نہیں کرتا ہے۔

۲۔ مقبوضہ علاقے میں مزید فوجی ساز و سامان کا لانا۔

پاکستان اس سے بھی منکر نہیں ہے۔

۳۔ مقبوضہ علاقے میں ہوائی اڈّوں کی تعمیر اس طرح ہندوستان پر حملہ کرنے کے لیے اڈّے بنانا جس سے اس کی سلامتی کو خطرہ پیدا ہوتا ہے۔

یہ بھی ایک ثابت شدہ حقیقت ہے۔

۴۔ جموں اور کشمیر کے مقبوضہ علاقے کو پاکستان میں شامل کر لینا۔

اس بارے میں دو رائیں نہیں ہو سکتیں۔

۵۔ فوجی معاہدوں کے ممبروں کو کشمیر میں اپنی فوجی طاقت بڑھانے کے لیے استعمال کرنا اور نام نہاد "آزاد فوجوں" کو مستحکم کرنا جس میں پاکستانی فوج کے افسر ہیں

اور جنھیں پاکستان نے ٹریننگ دی ہے اور سازوسامان مہیا کیا ہے۔

میں نہیں سمجھتا کہ اسے بھی چیلنج کیا جا سکتا ہے۔

۶۔ مشرقی علاقوں پر قبضہ۔

ان پر پاکستان نے قبضہ کر لیا ہے۔

۷۔ طاقت استعمال کرنے کی مسلسل دھمکی دینا اور جنگ کی فضا پیدا کرنا جو جنگ بندی لائن کے لیے خطرہ ہیں۔

میں نے سلامتی کونسل کے سامنے طاقت استعمال کرنے کی ایسی دھمکیوں اور جنگ کی فضا پیدا کرنے کی بے شمار مثالیں پیش کی ہیں۔

۸۔ جموں اور کشمیر میں تخریبی اور توڑ پھوڑ کی کاروائیوں کو منظم کرنا اور اس کے لیے مالی امداد دینا

کشمیر میں تقریباً ہر ماہ توڑ پھوڑ اور تخریبی کاروائیوں کی مثالیں ملتی ہیں جو پاکستان کی طرف سے اور اس کے پیسے سے کرائی جاتی ہیں۔

۹۔ چین کی عوامی جمہوریہ کے ساتھ پاکستان کی کوئی مشترکہ سرحد نہیں ہے تاہم پاکستان نے سنکیانگ کے ساتھ ملنے والی کشمیر کی سرحد کے بارے میں گفت و شنید کی اور ریاست جموں اور کشمیر کے علاقائی اتحاد کو نقصان پہنچایا۔

یہ سب سے حالیہ خلاف ورزی ہے جس سے کشمیر کا ۲ ہزار مربع میل کا علاقہ چین کو پاکستان اور چین کی سرحد کو درست کرنے کے نام نہاد صلح نامے کے تحت دے دیا گیا ہے۔ پاکستان کی سرحد چین سے نہیں ملتی کشمیر کی سرحد ملتی ہے۔ وہ کشمیر کے اس حصے پر ناجائز طور پر قابض ہیں اور انھوں نے کسی دوسرے کی چیز دے ڈالی ہے۔

پاکستان کے پروپیگنڈے کی تردید

پاکستان کے وزیر خارجہ نے بخشی غلام محمد جو حال تک کشمیر کے وزیر اعظم تھے، کے بعض بیانات کا ذکر کیا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ یہ بیانات انھیں کس ذرائع سے حاصل ہوئے۔ مجھے جو ہدایات موصول ہوئی ہیں ان میں لکھا گیا ہے کہ جو بیان ان سے منسوب کیا گیا ہے وہ صحیح نہیں ہے اور اس کی تصدیق اس صاف اور واضح بیان سے بھی ہو جاتی ہے جو بخشی غلام محمد نے نیشنل کانفرنس نے ۷۔ فروری ۱۹۶۴ء کو دیا تھا۔ انھوں نے ریاست اور اس کے ساتھ ساتھ ملک کے دوسرے حصوں کے تمام محب وطن عناصر سے اپیل کی کہ وہ پاکستان کے بڑھتے ہوئے خطرے کے پیش نظر اپنے ملک کی آزادی کی حفاظت کے لیے متحد ہو جائیں۔ انھوں نے ریاست کی سلامتی کے لیے پاکستان کی ہمیشہ بڑھتی ہوئی دھمکیوں اور پاکستان پریس اور ریڈیو کے ذریعے ہندوستان کے خلاف چلائی گئی نفرت کی مہم کی طرف لوگوں کو متوجہ کیا۔ انھوں نے مزید کہا:

"وہ تمام لوگ جو جمہوری نامذہبیت اور قوم کی منظم معاشی ترقی میں یقین رکھتے ہیں ان کے لیے اپنے تمام اختلافات ختم کر دینے اور متحد ہو جانے کی ضرورت اس وقت سب سے زیادہ ہے۔ یہ اپنے تمام گزشتہ اختلافات کو ختم کر دینے اور بھول جانے کا وقت ہے۔"

میں مزید اقتباس پیش کرتا ہوں:

"سلامتی کونسل میں ہمارے نمائندے" (انھوں نے اس ناچیز کا ذکر کیا ہے) "نے جموں اور کشمیر کے لوگوں کے صحیح جذبات کی عکاسی کی ہے کہ چونکہ اس ریاست کے لوگوں نے ہندوستان کے اٹوٹ انگ ہونے کا فیصلہ پہلے ہی کئی بار سنا دیا ہے اس لیے استصواب کرنے کے سوال کو ختم سمجھنا چاہیے۔" انھوں نے (دہلی میں نے) یہ بالکل صحیح کہا ہے کہ جموں اور کشمیر اسی طرح ہندوستان کا ایک حصہ ہے جس طرح کوئی اور ریاست ہے۔ اس لیے پاکستان کو ہمارے اندرونی معاملات میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں ہے۔ پاکستان فوراً اپنی جارحیت ختم کر دے یہی ایک ایسا موضوع ہے جس پر سلامتی کونسل کو غور کرنے کی ضرورت ہے۔ اس لیے پُر خلوص امید کی جاتی ہے کہ اس بنیادی مسئلے کے حل میں مزید تاخیر نہیں کی جائے گی۔

میں یہ بتا دوں کہ آج صبح مجھے دہلی سے ایک تار ملا ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ